سلسلہ مطبوعاتِ صوفی نمبر ۷

فقرائے اسلام

یعنی اُن پیشوایانِ دین کے سبق آموز حالات، اور اُن علمائے اسلام کے قابلِ عبرت وبصیرت سوانح جنہوں نے فقر وفاقہ کے باوجود مذہب اسلام کے اصول وارکان کو استوار و مستحکم کیا۔

مؤلفہ
مولانا عبد السلام صاحب ندوی

جنکو اخذ جملہ حقوق
صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ
پنڈی بہاؤالدین نے
ملک محمد الدین صاحب منیجنگ ڈایرکٹر
کے اہتمام سے
چھپواکر شائع کیا

یہ سرورق فوٹو آرٹ پریس لاہور میں باہتمام ماسٹر محمد احسان طبع ہوا

فہرست کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

حامداً ومصلیاً

علم ومذہب کیلئے مُسلمانوں نے جسقدر تکلیفیں برداشت کیں اُنکے متعلق اگرچہ علمائے اسلام کے ہر تذکرے میں جستہ جستہ واقعات مل سکتے ہیں لیکن علامہ شہاب الملۃ والدین احمد بن علی الدلجی نے "الفلاکۃ والمفلوکون" کے نام سے ایک مستقل کتاب خاص طور پر صرف اُن علماء کے حالات میں لکھی ہے جنہوں نے اپنی علمی زندگی نہایت فقر وفاقہ کے ساتھ بسر کی ہے جس میں اُنہوں نے اوّلاً ۲۰ صفحے کا ایک مقدمہ لکھا ہے اور اُس میں غربت و فلاکت پر مختلف حیثیتوں سے بحث کی ہے، اس کے بعد ۱۱ علماء کے مختصر طور پر تذکرے درج کئے ہیں اور آخیر میں تصریح کی ہے۔

(۱) کہ یہ نام صرف اُن بزرگوں کے ہیں جنکو دُنیوی دولت و مال کا کچھ حصہ نہیں ملا، لیکن اسمیں ہر پیشہ [illegible]

(۲) بہت سے بزرگ ایسے ہیں جنکی نسبت تذکرہ نویس صرف اسقدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ [illegible] سبب سرمایہ کم تھا، اس قسم کے لوگ بھی چھوڑ دئیے ہیں، اور صرف اُن علماء کا بیان کیا ہے [illegible] جس - تذکرہ نویسوں نے تصریح کر دی ہے یا کسی واضح قرینہ سے اُنکے فقر وفاقہ کا پتہ چلتا ہے۔ [illegible] نے اُس اکابر علماء کے تذکرے درج کئے ہیں بقیہ عام مفلوک الحال اہل علم کو چھوڑ دیا ہے۔

(۳) بہت سے علماء ایسے بھی ہیں جن کے فقر وفاقہ کی نسبت تذکروں میں کوئی تصریح نہیں [illegible] اوقات کسی منصب یا عہدے کا بھی ذکر نہیں ہے، اس قسم کے علماء کے نام بھی نظر انداز کر دئیے ہیں۔

اگر سے علماء نے ابتداء میں نہایت فقر وفاقہ کے ساتھ زندگی بسر کی ہے، لیکن بعد کو [illegible] رہتے ہیں، ان کے تذکرے بھی حذف کر دئیے ہیں۔

مرغن ومرطوبت اور اسقدر کتابیں نہ مل سکیں کہ اس قسم کے تمام بزرگوں کے نام کا استقصا کر [illegible]

اس لئے اس قسم کے تمام علماء کا بالاستیعاب تذکرہ نہ کیا جا سکا۔

(۷) ان علماء کے تذکرے صرف مستند کتابوں سے درج کئے ہیں، بقیہ ادب و محاضرات کی کتابوں میں اگرچہ اس قسم کے لوگوں کے بہ کثرت نام مذکور ہیں لیکن اُن کو نظر انداز کر دیا ہے،

ہم کو اس رسالہ کے مرتب کرنیکا خیال اگرچہ اسی کتاب کے دیکھنے سے پیدا ہُوا، لیکن اصل کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہُوا کہ اسکا اکثر حصہ غیر ضروری اور قابل اضافہ و اصلاح ہے مثلاً مقدمہ بالکل بیکار اور غیر متعلق مباحث پر مشتمل ہے، فقر و فاقہ کی بہترین مثالیں عہد رسالت اور عہد صحابہ میں مل سکتی تھیں اُنکو مصنف نے بالکل چھوڑ دیا ہے بہت سے لوگوں کے تذکرے ایسے درج کئے ہیں جو بالکل لامذہب رند اور لاابالی تھے اور اُنکے حالات کے پڑھنے سے کوئی اخلاقی نتیجہ مرتب نہیں ہو سکتا، بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جنکے تذکروں میں فقر و فاقہ کی کوئی تصریح نہیں ہے حالانکہ مصنف نے ان لوگوں کے حالات کے درج کرنیکا خود التزام کر لیا تھا لیکن بااینہمہ موضوع ضروری اور دلچسپ تھا، اسلئے ہم نے اس رسالے کو نئے سرے سے مرتب کرنا مناسب سمجھا، اور اس مقدمے کے غیر ضروری مباحث کو چھوڑ کر سب سے پہلے خود جناب سرور کائنات، شہنشاہ کونین، سید الفقراء محمد رسول اللہ صلعم کے فقر و فاقہ کے واقعات درج کئے، اسکے بعد صحابہ میں سے چند بزرگوں کے تراجم سے اس رسالہ کو زینت دی، پھر ایک مفصل تمہید کے بعد اکابر علمائے اسلام کا تذکرہ شروع کیا جسمیں اس کتاب میں سے صرف اُنہی بزرگوں کے حالات لئے جنکے فقر و فاقہ کے متعلق تصریحی واقعات درج تھے، اور اُنہوں نے مذہبی اور اخلاقی زندگی بسر کی تھی، لیکن جو علماء اس معیار پر پورے نہیں اُترتے تھے اُنکے نام بالکل حذف کر دئے، لیکن اسی کے ساتھ اور اور کتابوں سے دوسرے علماء کے نام بھی جو اس کتاب میں درج نہ ہو سکے تھے درج کئے، اور اسی سلسلے میں بعض اُن علماء کو بھی لیلیا جنکو خیر میں اگرچہ بہت کچھ مال و دولت حاصل ہو گیا تاہم اُنہوں نے ابتدائی زندگی نہایت فقر و فاقہ کیساتھ بسر کی تھی، اگرچہ اب بھی اس قسم کے تمام بزرگوں کے اسماء و حالات کا استقصاء نہیں ہو سکا ہے، تاہم اس جدید ترتیب سے یہ رسالہ "الفلاکۃ والمفلوکون" سے بہت زیادہ جامع و مکمّل ہو گیا ہے، اور اسمیں جن علماء کے حالات درج کئے گئے ہیں اُنکے پڑھنے سے اُن لوگوں کو عبرت و بصیرت حاصل ہو گی جو اس زمانے میں علم و مذہب کیلئے مصائب کے برداشت کرنے سے جھجکتے ہیں، اور یہی اس رسالے کے لکھنے کا اصل مقصد ہے۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

عبد السلام ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید الفقراء شہنشاہ کونین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اگر کسی کتاب کی ابتداء تبرکاً و تیمناً بھی اس مقدس نام سے ہو جائے تو اُس کو، اُس کتاب کا طغرائے امتیاز اور دیباچہ زرّیں خیال کرنا چاہئے، لیکن ہم کو اس مقدس نام سے صرف تبرکاً و تیمناً اس رسالے کے ابتداء کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ قرآن و حدیث کی یقینی شہادتوں نے ہم کو سب سے پہلے سرعنوان اسی نام کے درج کرنے پر مجبور کر دیا ہے،

یہ رسالہ صرف اُن بزرگوں کے سبق آموز حالات کے ساتھ مخصوص ہے جنھوں نے نہایت فقر و فاقہ کے ساتھ علم و مذہب کی خدمات پر اپنی زندگیوں کو وقف کیا ہے، اس لئے سب سے پہلے ہم کو اُسی برگزیدہ صفات ہستی کے نام سے اس کی ابتداء کرنی چاہئے، جس نے اوّل سے آخر تک اپنی زندگی کو فقر و فاقہ کے ساتھ بسر کیا، لیکن اسی فقر و فاقہ نے اُس کے اوپر علم لدنّی کے دروازے کھول دئے، اور قرآن پاک کی سب سے پہلی آیت میں اُس کو مکتب ازل میں یہ سبق پڑھنے کی ہدایت کی گئی۔

اقراء باسم ربك الذی خلق — پڑھ اپنے اُس رب کا نام جس نے پیدا کیا

اگرچہ بندگان شکم ہمیشہ اغذیہ لطیفہ اور اشربہ رقیقہ و باردہ کی تلاش و جستجو میں مصروف رہتے ہیں، لیکن دماغ کی اصلی غذا صرف علم و فن، عقائد و خیالات اور مسائل و نکات ہیں، اور مرغن و مرطب غذاؤں سے انسان کے دماغ بالخصوص قوت حافظہ کو سخت نقصان پہنچتا ہے،

یہی وجہ ہے کہ امراء و رؤساء اور متمدن شہری لوگوں کا گروہ ان روحانی چیزوں سے اکثر بے بہرہ رہتا ہے، اور ان کے خزانے صرف اُن لوگوں کے لئے کھولے جاتے ہیں، جو فقر و فاقہ کے ساتھ اپنے دماغ کو فضلات و رطوبات سے پاک کر کے فیوض ربانی کے قبول کرنے کے لئے تیار رکھتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن خلدون مقدمہ تاریخ میں لکھتے ہیں۔

ان میں بعض ملکوں میں، بہترین روئیدگی، معتدل سرزمین، اور تمدنی ساز و سامان کی کثرت سے اُن کے باشندوں کے لئے زندگی کی شادابی یعنی غلے، شوربے، گیہوں اور میوے موجود ہیں، لیکن انہیں میں گرم زمین بھی موجود ہے، جو مطلقاً زراعت اور گھاس پات کو، نہیں اُگاتی، اس لئے اُس کے باشندے نہایت موٹی جھوٹی زندگی بسر کرتے ہیں، مثلاً حجاز اور جنوبی یمن کے باشندے۔ کیونکہ یہ لوگ غلے اور شوربے بالکل نہیں پاتے، اُن کی غذا صرف دودھ اور گوشت ہے، میدانوں میں پھرنے والے عربوں کا بھی یہی حال ہے کیونکہ اگرچہ یہ لوگ غلے اور سالن بلند مقامات سے حاصل کر لیتے ہیں لیکن ایسا کبھی کبھی ہوتا ہے،

لیکن بایں ہمہ غلہ اور سالن کے نہ پانے والے صحرائی لوگوں کو تم جسمانی اور اخلاقی حیثیت سے بلند مقامات کے رہنے والوں سے جو عیش میں ڈوبے ہوئے ہیں بہتر پاؤ گے، اُن کے رنگ صاف اُن کے بدن نکھرے ہوئے، اُن کی صورتیں بھری پڑی، اُن کے اخلاق انحراف سے دُور، اُن کے ذہن معارف و ادراکات میں زیادہ گھسنے والے اور روشن ہونگے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ کثرت سے غذائیں اور اُن کی پیدا کی ہوئی رطوبتیں، جسم میں فضلات ردیہ پیدا کرتی ہیں جن سے جسم میں بے قوارہ پن، اور متعفن اخلاط فاسدہ پیدا ہوتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رنگ میلے ہو جاتے ہیں اور گوشت کی کثرت سے صورت بدنما ہو جاتی ہے، رطوبت کی وجہ سے دماغ پر جو بخارات ردیہ

چڑھتے ہیں اُن کے ذریعہ سے وہ ذہن و فکر پر پردہ ڈال دیتی ہے، اس لئے بلادت، غفلت، اور بالکل بے اعتدالی پیدا ہو جاتی ہے۔

جان رکھو! کہ اس تر و تازگی کا اثر بدن اور حالات بدن میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے یہاں تک کہ مذہب اور عبادت میں بھی اس کا پرتو پایا جاتا ہے، چنانچہ موٹی جھوٹی زندگی بسر کرنے والے بدو اور شہری جو بھوک کے خوگر اور لذائذ سے الگ تھلگ رہتے ہیں مذہبی حیثیت سے اہل ثروت اور عیش پرست لوگوں سے بہتر ہوتے ہیں، اور اُن سے زیادہ خدا کی عبادت کی طرف متوجہ رہتے ہیں، بلکہ شہروں میں اہل مذہب بہت کم پائے جاتے ہیں، کیونکہ ان میں گوشت سالن، اور میدہ کی کثرت سے، سنگدلی اور اصل غفلت پائی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ عبادت گزار اور زاہد لوگ موٹی جھوٹی زندگی بسر کرنے والے بدوں ہی میں پائے جاتے ہیں[1]۔

جناب سرور کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ فیضان الٰہی کا خاتمہ ہونیوالا تھا، اس لئے ابتدا ہی سے قدرتی طور پر ایسے اسباب پیدا ہو گئے جنہوں نے آپ کے دماغ پر ان مادی لذتوں کا زنگ لگنے نہیں دیا۔

بچپن ہی میں ماں باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور آپ بالکل بیکس و یتیم ہو گئے، اگرچہ اس حالت میں حضرت ابوطالب نے نہایت دلسوزی کے ساتھ آپ کی پرورش کی، چنانچہ خداوند تعالےٰ نے آپ پر اس کا احسان جتایا،

الم یجدک یتیما فاوی		کیا تم کو اُس نے یتیم نہیں پایا؟ پھر ٹھکانا دیا،

تاہم جب تک حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی وسیع تجارت کا کاروبار آپ کے دست تصرف میں نہیں آیا، آپ بالکل تہیدست رہے، خود خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

ووجدک عائلا فاغنی		اور تم کو محتاج پایا تو اُس نے غنی کر دیا

---

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۹۰-۹۹

لیکن متمول ہونے کے بعد بھی آپؐ نے اہل دُنیا کی طرح اپنے مال و دولت سے شکم پروری کا کام نہیں لیا، بلکہ اپنے دماغ کو فقر و فاقہ کے ساتھ وحی آلہی کے قبول کرنے کے لئے تیار کرنا شروع کیا، چنانچہ بدء الوحی کے متعلق ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ایک مہینہ تک غار حراء میں اعتکاف کرتے تھے،" اور یہ مہینہ رمضان کا ہوتا تھا جس کے لئے فقر و فاقہ ایک لازمی چیز ہے، خود قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی مقدس مہینے میں جو فقرائے اسلام کی روحانیت کا بہترین مظہر ہے آپ مشرف برسالت ہوئے اور اسی میں قرآن مجید نازل ہوا،

شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن — رمضان کا وہ مہینہ جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا

رسالت اور اعلان رسالت کے بعد آپؐ کی مقدس زندگی کا حقیقی دَور شروع ہوا جس میں اوّل سے آخر تک اس موقع پر فقر و فاقہ کی جھلک نظر آتی ہے، دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں اگرچہ آپ کو ہر قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آپ کو مستقل تین برس تک جو زمانہ شعب ابو طالب میں محصور رہ کر بسر کرنا پڑا وہ آپ کی پیغمبرانہ زندگی کا سب سے زیادہ سخت زمانہ قرار دیا جا سکتا ہے، اور اُس کی تمامتر سختیاں فقر و فاقہ ہی سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ قریش نے طرح طرح کے مظالم کے بعد آپ اور آپ کے خاندان کے تباہ و برباد کر دینے کے لئے باہم جو معاہدہ کیا تھا اُس کی سب سے سخت شرط یہ تھی کہ "کوئی شخص خاندان بنو ہاشم کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا اور نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دیگا" نتیجہ یہ ہُوا کہ حضرت ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندان ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہوئے اور تین سال تک کی مدت بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی، حدیثوں میں جو صحابہ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم طلح کی پتیاں کھا کھا کر بسر کرتے تھے یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے، چنانچہ سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے، اسی کتاب میں حضرت سعد و قاص کا یہ بیان مذکور ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہُوا چمڑا ہاتھ آ گیا میں نے اُس کو پانی سے دھویا

پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا،

ابن سعد نے روایت کی ہے کہ جب بچے بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی قریش سُن سُن کر خوش ہوتے تھے لیکن بعض رحم دلوں کو ترس بھی آتا تھا، ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا تھا تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہؓ کے پاس بھیجے، راہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا، اتفاق سے ابوالبختری کہیں سے آگیا، وہ اگرچہ کافر تھا لیکن اُس کو رحم آیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لئے بھیجتا ہے تُو کیوں روکتا ہے؟

مستقل تین برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور تمام آل ہاشم نے یہ مصیبتیں جھیلیں بالآخر دشمنوں ہی کو رحم آیا اور خود انہی کی طرف سے معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی، اور بہت سی ردوقدح کے بعد یہ ظالمانہ معاہدہ چاک کر دیا گیا۔[1]

معلوم ہوتا ہے کہ اس فقر و فاقہ نے آپ کے جوہر دماغ کو پہلے سے بھی زیادہ شفاف بنا دیا، اور آپ کی روحانی لطافت پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی بلکہ بالکل سچ تو یہ ہے کہ آپ ہمہ تن روح قدسی ہو گئے، چنانچہ ابن سعد کی روایت کے مطابق اسی زمانے میں معراج واقع ہوئی اور آپ کو عالم ملکوت کی سیر کرائی گئی، جہاں صرف اُسی جسمانی ہستی کا گذر ہو سکتا ہے جو مجسم روح ہو،

اگرچہ بظاہر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ ابتدا سے لے کر قیام مکّہ کے زمانہ تک آپ کو مجبوراً فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی بسر کرنا پڑی، ورنہ مدینہ میں آکر آپ کی زندگی کے اطوار بالکل بدل گئے، اور آپ نے شاہانہ زندگی بسر کرنا شروع کی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ تمام عرب کے زیرنگین ہونے پر بھی آپ فاقہ کش کے فاقہ کش رہے، صحیح بخاری باب الجہاد میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے یہاں تین صاع جَو پر گرو رکھی تھی، جن

---

[1] سیرۃ النبی جلد اوّل صفحہ ۱۷۹-۱۸۰۔

کپڑوں میں آپ نے وفات پائی اُن میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔

اگرچہ آپ کے مہمات فرائض میں رہبانیت کا قلع قمع کرنا بھی تھا جس کی نسبت خداوند تعالےٰ نے نصاریٰ کو ملامت کی تھی کہ رہبانیۃً ابتدعوھا اس بنا پر آپ نے کبھی کبھی اچھے کھانے اور اچھے کپڑے بھی استعمال کئے ہیں، لیکن طبعاً آپ کا میلان زخارف دنیوی کی طرف نہ تھا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، ولا یطوی لہ ثوب، کبھی آپ کا کوئی کپڑا تہہ کرکے نہیں رکھا گیا یعنی صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا دوسرا نہیں ہوتا تھا جو تہہ کرکے رکھا جا سکتا،

گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا اور رات کو تو اکثر آپؐ اور آپ کا سارا گھر بھوکا سو رہتا تھا، چنانچہ جامع ترمذی باب معیشۃ النبی میں ہے کان رسول اللہ یبیت اللیالی المتتابعۃ طاویاً آپؐ اور آپ کے اہل و عیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے کیونکہ ھو واھلہ لا یجدن غشاءً رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔

پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، حضرت عائشہؓ نے ایک موقع پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروۃ بن الزبیر نے پوچھا کہ آخر گذارا کس چیز پر تھا؟ بولیں کہ "پانی اور کھجور پر البتہ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیج دیا کرتے تھے تو پی لیتے تھے" آپؐ نے عمر بھر کبھی چپاتی کی صورت نہیں دیکھی میدہ جس کو عربی میں حواری اور نقی کہتے ہیں کبھی نظر سے نہیں گذرا، حضرت سہل بن سعدؓ جو اس واقعہ کے راوی ہیں اُن سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلعم کے عہد میں چھلنیاں نہ تھیں؟ بولے "نہیں" لوگوں نے کہا "پھر آخر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے؟"

میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ "کچھ کھانے کو بھیجدو" جواب آیا کہ "گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں" آپ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا وہاں سے بھی یہی جواب آیا، مختصر یہ کہ آٹھ تو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔[۵۱]

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ "ایک دن میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپؐ نے شکم کو کپڑے سے کس کر باندھا ہے، سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا بھوک کی وجہ[۵۲] سے"

حضرت ابو طلحہؓ کہتے ہیں کہ "میں نے ایک دن رسول اللہ صلعم کو دیکھا کہ مسجد میں زمین پر لیٹے ہوئے ہیں اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹیں بدلتے ہیں[۵۳]"

ایک دفعہ صحابہ نے آپ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے تھے، آپؐ نے شکم مبارک کو کھولا تو ایک کے بجائے دو دو پتھر تھے[۵۴] اکثر ایسا ہوتا کہ آپ صبح کو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے کہ آج کچھ کھانے کو ہے عرض کرتیں "نہیں" آپ فرماتے "کہ اچھا میں نے روزہ رکھ لیا ہے[۵۵]"

اکثر بھوک کی وجہ سے آواز اس قدر کمزور ہو جاتی تھی کہ صحابہ آپ کی حالت سمجھ جاتے تھے ایک دن حضرت ابو طلحہ گھر میں آئے اور بیوی سے کہا "کچھ کھانے کو ہے؟ میں نے ابھی رسول اللہ کو دیکھا کہ اُن کی آواز کمزور ہو گئی ہے[۵۶]"

لیکن یہ فقر و فاقہ اس حیثیت سے غایت بابرکت تھا کہ صحابہ کو اکثر اسی حالت میں آپ کی خدمت کرنے کا موقع ملتا، اور اس سے اُن کو اعانت و ہمدردی کی بھی تعلیم تھی؛ مثلاً آپ ایک دن بھوک میں ٹھیک دوپہر کے وقت گھر سے نکلے، راہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ ملے، یہ دونوں صاحب بھی بھوک سے بیتاب تھے آپ سب کو لے کر حضرت

---

۵۱ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ مطبوعہ مصر و صحیح بخاری صفحہ ۵۳۵ ۵۲ صحیح مسلم صفحہ ۱۹۳ ۵۳ " ۵۴ " ۵۵ مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۲۹ ۵۶ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۲

ابوایوب انصاریؓ کے گھر آئے اُن کا معمول تھا کہ آپؐ کے لئے دودھ مہیا رکھتے تھے، آج آپ کے آنے میں دیر ہوئی تو انہوں نے بچوں کو کھلا دیا، آپ اُن کے گھر پہنچے تو وہ نخلستان میں چلے گئے تھے، اُن کی بیوی کو خبر ہوئی تو باہر نکل آئیں اور عرض کی "حضور کا آنا مبارک" آپ نے پوچھا ابوایوب کہاں ہیں؟ نخلستان پاس ہی تھا وہ آواز سُن کر دوڑے آئے اور مرحبا کہہ کر عرض کی یہ حضورؐ کے آنے کا وقت نہیں آپ نے حالت بیان کی وہ نخلستان میں جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے اور کہا میں گوشت تیار کرتا ہوں، ایک بکری ذبح کی آدھے کا سالن اور آدھے کے کباب تیار کرائے کھانا سامنے لا کر رکھا تو آپ نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا کہ "فاطمہؓ کو بھجوا دو کئی دن سے اُس کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہے" پھر خود صحابہ کے ساتھ مل کر کھانا نوش فرمایا، متعدد قسم کے کھانے دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت میں نعیم سے سوال ہوگا وہ یہی چیزیں ہیں[۱]،

ایک بار آپؐ معمول سے زیادہ فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک یہودی کے باغ میں آئے اور سترہ ڈول پانی کے کھینچے، ہر ڈول کا معاوضہ ایک کھجور قرار پایا تھا، یہودی نے سترہ کھجوریں دیں اُن کو لے کر خدمت مبارک میں حاضر ہوئے ایک اور صحابی اسی طرح تقریباً دو صاع کھجور کی لائے اور آپ کی خدمت میں پیش کیں[۲]،

احادیث میں رسول اللہ صلعم کے محاسن اخلاق میں آپ کے حُسن معاملت، جود و سخا، ایثار، مہمان نوازی، گداگری سے سوال اور نفرت، صدقہ سے اجتناب، عدم قبول احسان، عزم و استقلال، راست گفتاری، ایفائے عہد، غریبوں کے ساتھ محبت، بچوں اور غلاموں پر شفقت اور محبت اولاد کے بہ کثرت واقعات مذکور ہیں، جو اگرچہ ہر حالت میں

---

[۱] ترغیب و ترہیب جلد۲ صفحہ ۷۵، یہ واقعہ صحیح مسلم جلد۲ صفحہ ۱۹۰ میں جزئی اختلافات کے ساتھ موجود ہے یہ تمام واقعات سیرۃ النبی جلد دوم سے ماخوذ ہیں اور کتابوں کے حوالے بھی اُسی سے منقول ہیں [۲] ابن ماجہ ابواب الرہون ۱۲۰

نہایت موثر ہیں، لیکن اگر اُن کو آپ کے فقر و فاقہ کے واقعات کے ساتھ ملا لیا جائے، تو اُن کا اثر معجزانہ حد تک پہنچ جاتا ہے، کیونکہ انسان غُربت کی حالت میں بد معاملگی پر مجبور ہو جاتا ہے، جود و سخا، ایثار، مہمان نوازی، سوال سے نفرت، صدقہ سے اجتناب، عدم قبول احسان ایسے اخلاقی محاسن ہیں کہ ایک فاقہ زدہ شخص کے لئے تقریباً ناممکن ہیں، ایک محتاج شخص عزم و استقلال پر قادر نہیں ہو سکتا۔ ایفائے عہد نہیں کر سکتا، انسان فقر و فاقہ کی حالت میں سخت خود غرض اور سنگدل ہو جاتا ہے، اس لئے وہ اس حالت میں غریبوں، بچوں، غلاموں اور اولاد کی محبت کیا کر سکتا ہے؟ بہت سے قحط زدہ لوگ بھوک کی حالت میں بچوں کو بھون کر کھا جاتے ہیں، غرض غربت و افلاس کی حالت میں ایمان کامل اپنے تمام اخلاقی و عملی نتائج کے ساتھ بمشکل قائم رہ سکتا ہے،

لیکن اس حالت میں ایمان کامل کو اپنے اخلاقی و عملی نتائج کے ساتھ صرف اُسی ذات اقدس نے قائم رکھا جو دُنیا میں صرف اس لئے آیا تھا کہ معجزانہ طور پر ایک ایسا عملی نظام اخلاق قائم کر دے، جو انسانی طاقت سے بالاتر ہو،

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

صحابہ کرام کی ذات بھی اُسی آفتاب عالمتاب یعنی سرورِ کائنات، شہنشاہ کونین، سیدالفقراء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کا عکس و پرتو تھی، اس لئے سرورِ کائناتؐ کی ذات برگزیدہ صفات کی تمام خصوصیات اُن میں جلوہ گر تھیں، بالخصوص فقر و فاقہ کی خصوصیت اُن میں نہایت واضح طور پر نمایاں تھی،

صحابہ کرام میں اگرچہ ایک گروہ دولتمند لوگوں کا بھی موجود تھا جو اس عطیہ الٰہی کا بہترین استعمال کرتا تھا، تاہم ان میں فقراء و مساکین کی تعداد غالب تھی، چنانچہ علامہ ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں،

والذین زوی اللہ عنھم الدنیا من الصحابۃ	خداوند تعالیٰ نے جن صحابہ کے سامنے دُنیا کے دروازے کو بند کرلیا
اکثر من الذین فتحھا علیھم ضعافا مضاعفۃ[۱]	اُنکی تعداد اُن صحابہ سے کئی گُنا زیادہ ہے، جنکے سامنے دُنیا
ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ	کا دروازہ اُس نے کھولا،

اور حالات کے لحاظ سے بھی ایسا ہونا لازمی تھا، اوّلاً تو یہ تمام بزرگ "وادی غیر ذی زرع" کے رہنے والے تھے، جہاں زرعی پیداوار کے قُدرتی ذرائع بہت کم موجود تھے، اقتصادی حیثیت سے مُلک کے اصلی سرمایہ دار یہود تھے، جنہوں نے نہایت تباہ کُن طریقہ پر سودی کاروبار پھیلا رکھا تھا، خود صحابہ کرام کے ہاتھ میں تجارت کے معمولی کاروبار تھے، جو نہایت سادہ طور پر چلائے جاتے تھے، اسلام آیا تو اگرچہ اس مژدہ کو ساتھ لے کر آیا کہ "وہ تمہارے لئے قیصر و کسریٰ کے خزانے کھول دیئے جائینگے،" اور وہ آخیر میں کھول بھی دیئے گئے تاہم ابتداء میں اُس نے خدا و رسولؐ کی ذات کے سوا دُنیا کی ہر چیز کو ہیچ قرار دیا، اس لئے صحابہ کرام

---

[۱] کتاب مذکور صفحہ ۱۰۳۔

کے ہاتھ میں جو کچھ تھوڑی بہت پونجی تھی، اُس کو بھی اُن کو خدا کی راہ میں قربان کر دینا پڑا،
چنانچہ صحابہ کرام نے ہجرت کی تو اپنے تمام مال و متاع اور گھر بار کو خیر باد کہا وراثت سے جو مال ملتا اُس سے اس لئے محروم ہو گئے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا، انصار بے شبہ اس مصیبت سے آزاد تھے، لیکن اُن پر بھی اس کا اثر پڑا چنانچہ مواخات کے ذریعہ سے مہاجرین اُن کی جائداد میں نصف کے شریک ہو گئے، اور اُن کے درمیان باہم وراثت جاری ہونے لگی زکواۃ وصدقہ کا سلسلہ الگ تھا، جس میں زکواۃ نہایت وسیع اور حاوی چیز تھی، غلہ پر الگ، سامان تجارت پر الگ، گھوڑوں پر الگ، اونٹوں پر الگ، باغوں پر الگ، غرض کوئی چیز ایسی نہ تھی جس میں خدا کا حق نہ ہو، صدقہ وخیرات اگرچہ فرض نہ تھے، تاہم عملاً صحابہ کرام نے ان کو بھی اپنے اوپر فرض کر لیا تھا، چنانچہ حضرت ابو مسعود انصاری سے روایت ہے کہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام بازاروں میں جاتے اور حمالی کرتے، محنت مزدوری میں جو کچھ ملتا اُس کو صدقہ کر دیتے، اس کے علاوہ جہاد کا ساز و سامان بھی صحابہ ہی کو کرنا پڑتا تھا، نو مسلموں کی کفالت کا بار اُنہی پر تھا، باہمی اعانت میں بھی بہت کچھ صرف ہو جاتا تھا، غرض ابتدا میں قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی جگہ مختلف و متعدد مصارف کے بہت سے دروازے کھل گئے تھے، اور صحابہ کرام کو کھلے ہوئے دل کے ساتھ سب میں کچھ نہ کچھ دینا پڑتا تھا، جس کا نتیجہ غربت و افلاس کے سوا کچھ نہ تھا، اور یہ غربت اس قدر عام اور محیط تھی کہ اس کا اثر صحابہ کرام کے تمام شعبہائے زندگی سے نمایاں ہوتا تھا، صحابہ کرام کا لباس اگرچہ نہایت سادہ ہوتا تھا، لیکن اکثر صحابہ کو یہ سادہ لباس بھی میسر نہ تھا، چنانچہ اکثر صحابہ کے پاس صرف ایک تہ بند ہوتا تھا جس کو گلے سے باندھ لیتے تھے کہ تہ بند اور کرتہ دونوں کا کام دے، ایک صحابی نے رسول اللہ صلعم سے دریافت فرمایا کہ ایک کپڑے میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ ارشاد ہوا

اولکلکم ثوبان[1] — کیا تم میں ہر شخص کے پاس دو دو کپڑے ہیں!

[1] ابو داؤد کتاب الصلواۃ باب جماع ثواب ما یصلی فیہ ۱۲

ان بزرگوں کے پاؤں میں جوتے نہیں ہوتے تھے، موزے نہیں ہوتے تھے، سر پر ٹوپی نہیں ہوتی تھی، بدن پر کرتہ نہیں ہوتا تھا، چنانچہ ایک بار حضرت سعد بن عبادہؓ بیمار ہوئے تو تمام صحابہ اسی حالت میں اُن کی عیادت کو گئے[1]

عورتوں کو زیادہ ستر پوشی کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن بعض صحابیات کو چادر بھی میسر نہیں ہوتی تھی، چنانچہ رسول اللہ صلعم نے عورتوں کو عیدگاہ میں جانے کی اجازت دی تو ایک صحابیہ نے کہا کہ اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ ارشاد ہوا کہ "اُس کو دوسری عورت چادر اوڑھائے"[2]

شادی بیاہ میں دُلہن کے لئے غریب سے غریب آدمی بھی اچھا جوڑا بنواتا ہے لیکن اُس زمانے میں دُلہن کو معمولی جوڑا بھی میسر نہیں ہوتا تھا، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میرے پاس گاڑھے کی ایک کرتی تھی، شادی بیاہ میں جب کوئی عورت سنواری جاتی تھی تو وہ مجھ سے اُس کو مستعار منگوا لیتی تھی لیکن اب میری لونڈی بھی اُس کو پہنتے ہوئے شرمائیگی[3]

رومال نہایت معمولی درجہ کی چیز ہے لیکن صحابہ کرام کو وہ بھی میسر نہ تھا کھانا کھاتے تھے تو تلووں میں ہاتھ پونچھ لیتے تھے[4]، غذا بھی نہایت سادہ اور معمولی ہوتی تھی، ابتدائے اسلام میں تو گویا صحابہ کرام کو بالکل فاقہ کشی کرنی پڑتی تھی، بعد کو اسلام نے قوت حاصل کی تو یہ تکلیفیں اگرچہ کم ہوگئیں تاہم پھر بھی عرب کی قدیم سادگی قائم رہی، صحابہ کرام میں اہل مدینہ یعنی انصار زیادہ دولتمند تھے، لیکن ان کی عام غذا بھی کھجور اور جَو کے سوا کچھ نہ تھی، جو لوگ دولتمند ہوتے تھے وہ شام کے غلہ فروشوں سے خاص طور پر اپنے لئے میدہ خرید لیتے تھے، باقی تمام گھر جَو اور کھجور پر زندگی بسر کرتا تھا[5] جَو کا آٹا بھی چھنا ہوا نہیں ہوتا تھا،

---

[1] مسلم کتاب الجنائز باب فی عیادۃ المرضی [2] سنن ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی خروج النساء فی العیدین [3] بخاری کتاب الهبة باب الاستعارۃ للعروس [4] سنن ابن ماجہ کتاب الاطعمہ باب مسح الید بعد الطعام [5] ترمذی تفسیر سورہ نساء ۱۲

بخاری کتاب الاطعمہ میں ہے کہ صحابہ کے گھروں میں چھلنی نہیں ہوتی تھی، آٹا پیس کر مُنہ سے پھونک دیتے تھے بھوسی اُڑ جانے کے بعد جو کچھ بچ رہتا تھا اُس کو کھا لیتے تھے،

مکان کی حالت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مدت تک اُن میں جائے ضرور کا وجود نہ تھا[1] دروازوں پر پردے نہ تھے[2]، راتوں کو گھروں میں چراغ تک نہیں جلائے جاتے تھے[3]،

غُربت و افلاس کی وجہ سے گھر کا کاروبار خود کرتے تھے، چنانچہ حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں۔

کنا مع رسول اللہ صلعم خدام انفسنا نتناوب الرعایۃ رعاۃ ابلنا۔[4]	ہم سب رسُول اللہؐ کے ساتھ خود اپنے خادم تھے اور باری باری اپنے اونٹ چراتے تھے،

صحابہ کرام کی غُربت و افلاس کا عام اندازہ اُس حدیث سے کیا جا سکتا ہے، جس سے غُسل جمعہ کی فرضیت کا سبب معلوم ہو سکتا ہے، چنانچہ ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعہ، کے تحت میں ایک حدیث مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے،

صحابہ کرام سخت تنگدست تھے، بال کے کپڑے پہنتے تھے، اپنی پیٹھ پر بوجھ لادتے تھے اُنکی مسجد نہایت تنگ اور چھت پست تھی یعنی صرف ایک چھپر ایک روز رسول اللہ صلعم نماز جمعہ کیلئے برآمد ہوئے، دن نہایت گرم تھا، لوگوں کو بال کے کپڑوں میں پسینہ آیا اور اس قدر بو پھیلی کہ ایک کو دوسرے سے تکلیف ہوئی، آپکو بدبُو کا احساس ہُوا تو فرمایا کہ جب یہ دن (جمعہ) آئے تو غُسل کر لیا کرو اور جہاں تک ممکن ہو عُمدہ تیل اور عُمدہ خوشبو لگاؤ،

صحابہ کرام کی برگزیدہ جماعت، مختلف خصوصیات کے لحاظ سے سابقین اسلام، اہلبیت، مہاجرین، انصار اور اہل صفہ میں منقسم تھی اور اُن میں زیادہ تر لوگ غریب ہی غریب تھے: لیکن ہم ان میں سے صرف چند برگزیدہ بزرگوں کے مختصر حالات درج کرتے ہیں ۔

---

[1] بخاری قصۃ الافک [2] ابوداؤد کتاب الادب باب الاستیذان فی العورات الثلاث [3] بخاری [4] ابوداؤد کتاب الطہارۃ توبیہ ما یقول الرجل اذا توضأ

سابقین اسلام

حضرت عتبہ بن غزوانؓ

اسلام: نہایت ابتدائی زمانے میں مشرف بہ اسلام ہوئے، چنانچہ خود اُن کا بیان ہے کہ میں ساتواں مسلمان ہوں،

ہجرت: اس بنا پر اسلام کی تمام ابتدائی مصائب و تکالیف سے اُن کو دوچار ہونا پڑا، چنانچہ ان شدائد سے مجبور ہو کر سب سے پہلے ارضِ حبشہ کی طرف ہجرت کی، حبشہ سے پلٹ کر پھر مکہ میں آئے اور رسول اللہ صلعم کے ساتھ قیام کیا، اس کے بعد حضرت مقدادؓ کے ساتھ جو انہی کی طرح سابقین اسلام میں تھے مدینہ کی طرف ہجرت کی، لیکن سوءِ اتفاق سے ان دونوں بزرگوں کو کفار کے ساتھ مکہ سے نکلنا پڑا، کفار نے مختصر سی فوجی جماعت قائم کر لی تھی جس کا افسر عکرمہ بن ابی جہل تھا، راستے میں اس سے مسلمانوں کی ایک فوجی جماعت کا جس کے افسر حضرت عبیدہ بن حارث تھے مقابلہ ہو گیا اور اب حضرت مقدادؓ اور حضرت عتبہ بن غزوانؓ کافروں کے حلقہ سے نکل کر مسلمانوں کے ساتھ مل گئے[1]، مدینہ میں پہنچے تو وہ اور اُن کے مولیٰ حضرت خبابؓ حضرت عبداللہ بن سلمۃ العجلانی کے مکان پر اُترے، اور رسول اللہ صلعم نے حضرت ابودجانہؓ کے ساتھ اُن کی مواخات کرائی[2]

غزوات: سب سے پہلے غزوہ بدر میں اس کے بعد اور تمام غزوات میں شریک ہوئے،

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت عتبہ بن غزوان [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عتبہ بن غزوان ۱۲

ابن سعد نے لکھا ہے کہ وہ اصحاب رسول اللہؐ میں مشہور تیر انداز تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وہ غزوات و فتوحات میں نمایاں حصہ لیتے رہے، چنانچہ سب سے پہلے اُن کو حضرت عمر بن الخطابؓ نے بصرہ کو بھیجا تاکہ مقام ایلہ میں ایرانیوں کے ساتھ جنگ کریں، اور روانگی کے وقت اُن کی طرف خطاب کر کے یہ الفاظ فرمائے،

> تُم اپنے رفقاء کو لے کر سلطنت عرب کے انتہائی اور سلطنت عجم کے ابتدائی مقام تک پہنچ جاؤ، خدا کے یُمن و برکت کے سہارے پر جاؤ، اور جہانتک ممکن ہو خدا سے ڈرتے رہو، یقین رکھو کہ تم دشمن کے گھیرے بن جاتے ہو، مجھے امید ہے کہ خداوند تعالےٰ اُن کے مقابلے میں تمہاری اعانت کرے گا، میں نے علاء بن حضرمی کو لکھا ہے کہ عرفجہ بن ہرثمہ کے ذریعہ سے تمہاری امداد کرے وہ دشمن کے ساتھ بڑا لڑنے والا اور بڑا داؤ گھات کرنے والا ہے، اُس سے مشورہ کرو اور خداوند تعالےٰ کی طرف لوگوں کو بلاؤ، جو شخص تمہاری دعوت کو قبول کرلے، اُس کے اسلام کو تُم بھی قبول کرلو، اور جو شخص انکار کرے اُس سے جزیہ لو جس کو وہ ذلیل ہاتھوں سے دے، اگر وہ اس کو بھی نہ قبول کرے تو بغیر نرمی کے تلوار سے اُس کا فیصلہ کردو، جن عرب قبائل سے گذرو اُن کو جہاد کی ترغیب دو، اور دشمن سے خوب لڑو اور خدا سے ڈرو،

ان ہدایات کے ساتھ حضرت عتبہ بن غزوانؓ روانہ ہوئے اور ایلہ کو فتح کرلیا اس کے علاوہ اُنہوں نے دشت میسان کو بھی فتح کیا اور وہاں سے مال غنیمت اور قیدی گرفتار کئے،[1]

تعمیرات اسلامی فتوحات کا مقصد تخریب نہ تھا بلکہ تعمیر تھا، اس لئے حضرت عتبہ بن غزوان نے اس مقام کو فتح کر کے ایک عظیم الشان تعمیری کام شروع کیا یعنی بصرہ کی داغ بیل ڈالی، اور وہاں ایک عظیم الشان مسجد بنوائی،[2] اس کے بعد وہ وہاں کے گورنر مقرر ہو گئے، اور بروایت طبقات ابن سعد چھ ماہ تک وہاں کی گورنری کی، لیکن حج کا زمانہ آیا تو مجاشع ابن مسعود اور

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ عتبہ بن غزوانؓ [2] استیعاب و اسد الغابہ تذکرہ عتبہ بن غزوانؓ

مغیرہ ابن شعبہ کو اپنا جانشین کر کے اس مذہبی فریضہ کے ادا کرنے کے لئے چلے آئے، اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچ کر اپنا استعفاء پیش کر دیا جس کو اُنہوں نے نامنظور کیا،

وفات مجبوراً اُن کو مکّہ سے پلٹ کر دوبارہ بصرہ کو جانا پڑا، لیکن وہ ابتداءہی سے فقروفاقہ کے خوگر تھے، دل سے یہ خدمت پسند نہ تھی دُعا کی کہ "خداوند! مجھ کو دوبارہ بصرہ کو واپس نہ لیجا" مستجاب الدعوات تھے خداوند تعالےٰ نے یہ دُعا قبول کر لی، اور اونٹ سے گر کر بہ مقام معدن بنی سلیم ۱۷ھ یا ۱۵ھ ہجری میں ستاون سال کے سن میں وفات پائی، وفات کے متعلق اور بھی روائتیں ہیں استیعاب میں ہے کہ بہ مقام ربذہ انتقال کیا، طبقات ابن سعد میں ہے کہ بہ مقام معدن سلیم بہ مرض اسہال وفات پائی اور اُن کا غلام سوید اُن کا اسباب اور ترکہ لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں آیا،

فضل وکمال اصحاب سنن نے اُن سے روایت کی ہے، صحیح مسلم میں اُن کی جو روایت موجود ہے وہ اُن کے فقروفاقہ کی سب سے بڑی سند ہے یعنی یہ کہ

لقد رائیتنی سابع سبعة مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مالنا طعام الا ورق الشجر	مَیں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلعم کے ساتھ ساتویں مُسلمان پایا اسوقت ہمارے لئے کوئی غذا نہ تھی مگر درخت کی پتی

خود اُن سے یسار، ابوالحسن بصری اور رطبان وغیرہ نے روائتیں کی ہیں،

اخلاق وعادات حضرت عتبہ بن غزوانؓ اگرچہ آخیر میں بصرہ کے گورنر ہو گئے تھے، لیکن اُنہوں نے ایک مدت تک صرف سفر آخرت کے لئے فقروفاقہ کو اپنا زادراہ بنایا تھا، اس لئے اس گورنری کی حالت میں بھی اُن کی فقیرانہ خصوصیات یعنی فکر آخرت اور عجز وخاکساری قائم رہیں، اور اُنہوں نے لوگوں کو ایسی حالت میں ان محاسن اخلاق کی دعوت دی جب اُن کے سامنے زخارف دنیوی کی نمائش ہو رہی تھی، چنانچہ اُنہوں نے اپنی گورنری کے زمانے میں اہل بصرہ کے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں یہ الفاظ فرمائے،

ہوشیار رہو کہ دُنیا نے جُدائی کا اعلان کر دیا اور پُشت پھیر لی، اب اُس کا صرف

ایک چھینٹا رہ گیا ہے، جس طرح برتن کا بچا ہوا آخری قطرہ رہ جاتا ہے، تم دنیا سے ایسے گھر کی طرف منتقل ہونے والے ہو جس کو زوال نہیں تو تمہارے سامنے جو چیزیں ہیں اُن میں سے بہترین چیزیں لے کر جاؤ، کیونکہ ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک پتھر جہنم کے کنارے سے گرایا جائیگا، تو وہ ستر سال تک گرتا چلا جائیگا اور اپنے لئے ٹھہراؤ نہ پائیگا، خدا کی قسم کیا تم کو تعجب ہے؟ اور ہم سے یہ بھی بیان کیا گیا کہ جنت کے کواڑوں میں سے دو کواڑوں کے درمیان کی مسافت چالیس سال کی ہے، اور ایک دن ایسا آئیگا کہ اس پر ہجوم سے کشمکش ہوگی میں نے اپنے آپکو رسول اللہ صلعم کے ساتھ ساتواں مسلمان پایا اسوقت ہماری کوئی غذا نہ تھی مگر درخت کی پتی، یہانتک کہ ان کے کھانے سے ہمارے جبڑے پھٹ گئے تھے، میں نے ایک چادر پائی، تو اپنے اور سعد بن مالک کے درمیان پھاڑ کر بانٹ لی، اور میں نے اُس کے ایک ٹکڑے کا تہ بند بنایا، اور اُنھوں نے ایک ٹکڑے کا تہ بند بنایا، لیکن ہم میں سے ہر ایک اسوقت کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے، لیکن میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ اپنے نزدیک تو بڑا ہوں اور لوگوں کی نگاہ میں حقیر ہو جاؤں، کیونکہ نبوت نے ہمیشہ دوسرا جنم لیا ہے، جس کی آخری صورت سلطنت ہے، میرے بعد تم کو دوسرے قسم کے امراء سے سابقہ پڑے گا،

اللہ اللہ فقر و امارت کے اجتماع کا یہ کیسا دلفریب منظر ہے؟ اور کیسی عاقبت اندیشانہ پیشینگوئی ہے، جو بہت بڑے سیاسی تدبر پر دلالت کرتی ہے؟

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

جن بزرگ کو حضرت عتبہ بن غزوانؓ نے تہ بند بنانے کے لئے اپنی چادر کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر دیا تھا وہ یہی بزرگ ہیں، اس فقر و فاقہ کی حالت میں ان کی جو غذا تھی اس کی نسبت خود فرماتے ہیں،

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوات میں شریک ہوتے تھے؛
لیکن ہماری غذا ببول کے پتوں کے سوا کچھ نہ تھی[1]

اس بنا پر وہ بھی قدیم الاسلام صحابی اور فقر و فاقہ میں حضرت عتبہ بن غزوانؓ کے شریک وسہیم ہیں، وحسن اولئک رفیقا

سلسلۂ نسب ان کا پورا نام سعد بن مالک اور کنیت ابو اسحاق ہے، سلسلہ نسب یہ ہے، سعد بن مالک بن وہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب ابن فہر بن النضر بن کنانۃ القرشی الزہری،

ماں کا نام حمنہ تھا جو سفیان بن امیہ بن عبد شمس کی بیٹی تھیں، ایک روایت میں ہے کہ ایک بار حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو آتا ہوا دیکھ کر رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ "یہ میرے ماموں ہیں" اور اس کی وجہ صاحب اسد الغابہ نے یہ لکھی ہے کہ رسول اللہ صلعم کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ تھیں، اس لئے ان کا اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا سلسلہ نسب عبد مناف میں جا کر مل جاتا ہے، اور اس تعلق سے وہ اور حضرت آمنہ چچازاد بھائی ٹھہرتے ہیں، اور ماں کا بھائی ماموں ہوتا ہے۔

اسلام اسد الغابہ میں ہے کہ چھ صحابیوں کے بعد اسلام لائے اس لئے وہ ساتویں مسلمان ہیں، لیکن اس شرف کو جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے حضرت عتبہ بن غزوانؓ نے اپنی طرف

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

منسوب کیا ہے، ایک روایت ہے کہ وہ چار صحابیوں کے بعد اسلام لائے اس لئے وہ پانچویں مسلمان ہیں، لیکن حافظ ابن حجر نے اصابہ میں خود اُن کا یہ قول نقل کیا ہے ،

وانی لثالث الاسلام — مَیں اسلام کا تیسرا شخص ہوں

ایک اور روایت سے جو اُن کی بیٹی عائشہؓ سے مروی ہے اس کی تصدیق ہوتی ہے وہ اس روایت کے مطابق خود اپنے اسلام قبول کرنے کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ

اسلام قبول کرنے سے پہلے مَیں نے خواب میں دیکھا کہ مَیں ایک اندھیرے میں ہوں جس میں مجھ کو کچھ نہیں سوجھتا، دفعتہً میرے سامنے ایک چاند چمکا تو مَیں نے اُس کا پیچھا کیا تاکہ یہ معلوم کر سکوں کہ مجھ سے پہلے کس نے اس چاند کو دیکھا ہے؟ تو میں نے زید بن حارثہ علی بن ابی طالب اور ابوبکرؓ کو دیکھا اور گویا میں نے اُن سے سوال کیا کہ تم اس چاند کے پاس کب پہنچے؟ اُن لوگوں نے کہا "ابھی" مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلعم خُفیہ طور پر دعوت اسلام دیتے ہیں تو مَیں نے شعب اجیاد میں آپ سے مُلاقات کی؛ آپ عصر پڑھ چکے تو مَیں اسلام لایا اس لئے مجھ سے پہلے ان تینوں آدمیوں کے سوا کوئی اسلام نہیں لایا[1]

بہرحال وہ قبل فرضیت نماز کے سترہ سال کی عُمر میں اسلام لائے، اور اسلام لانے کے ساتھ ہی اُن کی قوت ایمان نے اُن میں نہایت جوش و ولولہ پیدا کر دیا، یہانتک کہ اس جوش و ولولہ میں اُن کا نام حضرت عمرؓ کے ساتھ لیا جاتا ہے، چنانچہ اصابہ میں ہے،

کان اشد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اربعة عمر وعلی والزبیر وسعد — رسول اللہ صلعم کے اصحاب میں سب سے زیادہ سخت چار صحابی تھے، عمرؓ، علیؓ، زبیرؓ اور سعدؓ،

اتفاق سے ابتداء ہی میں اس ولولہ خیز جوش ایمان کے اظہار کے بھی متعدد مواقع نکل آئے، وہ اپنی ماں کے نہایت اطاعت گذار فرزند تھے، لیکن اسلام لائے تو ماں نے کہا

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ +

کہ "یہ نیا مذہب کیا ہے؟ اس کو چھوڑ دو ورنہ نہ کھاؤنگی نہ پیونگی یہاں تک کہ مر جاؤں گی۔ جس سے تمہاری بدنامی ہوگی" اُنہوں نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو میں اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتا" نہ مانیں، اور ایک دن اور ایک رات فاقہ میں بسر کیئے، صبح تک چور چور ہوگئیں لیکن انہوں نے کہا کہ "اگر تم ہزار جان بھی رکھتی ہو، اور ہر جان باری باری نکلے تب بھی میں اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتا" اُنہوں نے اُن کا یہ استقلال دیکھا تو کھانا پینا شروع کر دیا، قرآن مجید کی یہ آیت،

وان جاهداك على ان تشرك بي	اور اگر ماں باپ کوشش کریں کہ میرے ساتھ اُس چیز کو
ما ليس لك به علم فلا تطعهما وصاحبهما	شریک کرو جسکا تم کو یقین نہیں تو اُنکی فرمانبرداری کرو
في الدنيا معروفا۔	لیکن دُنیا میں اُنکے ساتھ نیکی اور سلوک کیساتھ رہو،

اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے[1]،

خوش قسمتی سے گھر کے باہر بھی اُن کو اپنے جوش ایمان کے اظہار کا ایک اور موقع مل گیا اسوقت تک صحابہ کرام کفّار کے خوف سے نماز چھپے چوری پڑھتے تھے، ایک روز حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی چند صحابہ کے ساتھ مکّہ کے کسی پہاڑ کی گھاٹی میں تھے، کہ مشرکین مکّہ بھی آگئے اور اسلام کی برائیاں بیان کرنے لگے اور اُن لوگوں کو اشتعال دلایا، نتیجہ یہ ہوا کہ باہم جنگ ہوگئی اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک مشرک کو اونٹ کے جبڑے کی ہڈی سے ایسا مارا کہ اُس کا سر پھٹ گیا اور اسلام میں یہ پہلا خون تھا جو حضرت سعدؓ کے طاقتور اور پُرجوش ہاتھ سے بہایا گیا[2]

ہجرت و مواخات جنگ بعاث سے پہلے حضرت سعد بن وقاصؓ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص مکّہ میں ایک خون کر کے مدینہ بھاگ آئے تھے، اور قبیلہ بنو عمرو بن عوف میں ایک مکان اور ایک باغ بنا لیا تھا، اس کے مدینہ میں حضرت سعد بن وقاصؓ کے قیام کے لئے خدا وند تعالیٰ نے

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ [2] اصابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

پہلے ہی سے معقول انتظام کر دیا تھا، چنانچہ وہ اور اُن کے بھائی حضرت عمیرؓ نے ایک ساتھ مدینہ سے ہجرت کی تو اسی مکان اور اسی باغ میں اُترے، اور رسول اللہ صلعم نے ایک روایت کے مطابق حضرت مصعب بن عمیرؓ سے اور دوسری روایت کے مطابق حضرت سعد بن معاذؓ سے اُن کی مواخات کرادی[۱]،

غزوات وفتوحات

حضرت سعد بن وقاصؓ مجاہدین اسلام میں ایک خاص حیثیت رکھتے ہیں، چنانچہ اوپر گذر چکا ہے کہ وہ نہایت پُرجوش صحابی تھے، اور اسلام کی تاریخ میں پہلا کافر اُنہی کے ہاتھ سے مارا گیا، اسی طرح وہ بہت بڑے تیر انداز بھی تھے اور اسلام میں سب سے پہلے جس شخص نے خدا کی راہ میں تیر چلایا وہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہی تھے چنانچہ اُنہوں نے بعض اشعار میں اس پر خود فخر کیا ہے، مثلاً

فما یعتد رام من معد　　بسھم مع رسول اللہ قبلی[۲]

قبیلہ معد کا کوئی تیر انداز　　مجھ سے پہلے رسول اللہ صلعم کے ساتھ تیر اندازی میں قابل شمار نہ تھا

خوش قسمتی سے نگاہ بھی نہایت تیز پائی تھی[۳] جو تیر اندازی کے لئے نہایت موزوں تھی نشانہ اس قدر صحیح تھا کہ ایک بار ایک کافر نے تیر مارا جو حضرت ام ایمنؓ کے دامن میں، جو (وہ زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں) لگا اور وہ اس کامیابی پر ہنسنے لگا، رسول اللہ صلعم نے اس کے انتقام کے لئے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو ایک تیر دیا جس کو اُنہوں نے اُس کافر کے سینہ میں تاک کر مارا اور ایسا ٹھیک نشانے پر پڑا کہ وہ چت گر پڑا اور اُس کی شرمگاہ کھل گئی، رسول اللہ صلعم نے یہ حالت دیکھی تو ہنس پڑے[۴]،

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے جوش ایمان نے جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا اگرچہ ابتدا ہی سے اُن سے عظیم الشان مجاہدانہ خدمات انجام دلوائیں، لیکن اُن کی مجاہدانہ

[۱] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاص نمبر [۲] استیعاب تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاص نمبر
[۳] اصابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاص نمبر [۴] 〃 〃 ۱۲

زندگی کی حقیقی ابتدا مدینہ سے ہوئی، کیونکہ غزوات کے علاوہ مدینہ میں اگر ذات پاک نبوی مشرکین مکہ کے ساتھ یہود و منافقین کی وجہ سے مختلف قسم کے خطرات میں مبتلا ہو گئی تھی، اور اس حالت میں آپ کو اپنی حفاظت نہایت ضروری تھی، جس کا شرف سب سے پہلے غالباً حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو حاصل ہوا، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلعم مدینہ میں آئے تو ایک رات بیدار ہوئے اور فرمایا کہ کاش میرے اصحاب میں سے کوئی مرد صالح میری حفاظت کرتا، یہ کہنا تھا کہ ہم نے ہتھیار کے جھنکار کی آواز سنی آپ نے اس آواز کو سن کر فرمایا کون؟ جواب ملا کہ "میں سعد" اب آپ سو گئے، اور حضرت سعدؓ کو دعا دی اس کے بعد جہاد کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ تمام مشہور غزوات مثلاً بدر، خندق اور حدیبیہ وغیرہ میں شریک ہوتے رہے، اور حفاظت رسولؐ کی جو مقدس خدمت مدینہ میں انجام دے چکے تھے وہ ان غزوات میں بھی انجام دیتے رہے چنانچہ صاحب استیعاب نے اُن کے تذکرے میں لکھا ہے کہ

وکان احد الفرسان الشجعان من قریش الذین	اور وہ قریش کے اُن بہادر شہسواروں میں تھے جو
کانوا یحرسون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مغازیہ	غزوات میں رسول اللہ صلعم کی حفاظت کرتے تھے،

یہی وجہ ہے کہ جب غزوہ احد میں ذات پاک نبویؐ سخت خطرات میں مبتلا ہو گئی تو اُنھوں نے اس فرض کو اس دلیری اور جانبازی کے ساتھ ادا کیا کہ تاریخ اسلام میں اُنکے کارنامے ایک پُر فخر یادگار بن گئے، چنانچہ اسد الغابہ میں ہے کہ

وابلی یوم احد بلاء عظیما	وہ احد کے دن لڑے اور خوب لڑے

تاریخ اسلام میں یہ پہلا غزوہ تھا جس میں مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے، لیکن اس حالت میں جو صحابہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ میدان میں جمے رہے، اُن میں ایک حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے، چنانچہ طبقات ابن سعد میں ہے:

ؐ اصابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

وثبت یوم احد مع رسول اللہ صلعم حین ولی الناس۔ — وہ احد کے دن جب تمام لوگ بھاگ نکلے رسول اللہ صلعم کے ساتھ میدان میں جمے رہے،

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے مشہور تیر انداز تھے، اور اس غزوہ میں انہوں نے تیر اندازی ہی کے ذریعہ سے ذات پاک نبویؐ کو کفار کے حملوں سے محفوظ رکھا، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے احد کے دن ہزار تیر پھینکے[۱]، خود رسول اللہ صلعم اُن کو تیر اندازی کی ترغیب دیتے تھے اور کہتے تھے کہ "تیر پھینکو میرے باپ ماں تُم پر قربان" اور یہ ایک ایسا شرف ہے جو ایک روایت کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے سوا کسی اور صحابی کو نصیب نہیں ہُوا،

سب سے آخیر میں وہ فتح مکہ میں شریک ہوئے، اور اس میں بھی اُن کی امتیازی شان قائم رہی، اور مہاجرین کے تین جھنڈوں میں سے ایک جھنڈا اُن کے ساتھ رہا[۲]،

عہد رسالت کے بعد خلفائے راشدین کا دور شروع ہُوا تو اس دور میں بھی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی امتیازی خصوصیت باقی رہی، چنانچہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایرانیوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے جو فوجیں روانہ کیں اُن کے سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ہی تھے، اور قادسیہ اور جلولاء کے معرکوں میں جن فوجوں نے ایرانیوں کو شکست دی اُس نے اسی مجاہد اسلام کی قیادت میں یہ نمایاں کام انجام دیا[۳]،

فتوحات ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام کی تسکین و حوصلہ افزائی کے لئے رسول اللہ صلعم نے جو بشارتیں دی تھیں، اُن میں ایک بشارت یہ تھی کہ "تمہارے لئے قیصر و کسریٰ کے خزانے کھول دیئے جائیں گے" اس وقت جو لوگ نان شبینہ کو بھی محتاج تھے، اُن کی حالت کے لحاظ سے یہ پیشگوئی نہایت عجیب و غریب تھی، لیکن اس صداقت کو دیکھو کہ جن لوگوں کو

---

[۱] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ [۲] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

[۳] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ۱۲

یہ تعجب انگیز بشارت دی گئی تھی اُنہی کے ہاتھوں سے قیصر و کسریٰ کے خزانے کھولے گئے جن میں اس خزانے کا ایک دروازہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے ہاتھوں سے کھولا گیا اور انہوں نے عراق میں مدائن کسریٰ کو فتح کیا[ا]۔

تعمیرات اسلام میں بصرہ اور کوفہ دو علمی شہر ہیں، جو نحو، فقہ، حدیث اور علم کلام وغیرہ کا مرکز تسلیم کئے جاتے ہیں، لیکن یہ ایک نہایت عجیب بات ہے کہ ان دونوں کی تعمیر فقرائے اسلام کے ہاتھوں سے ہوئی، بصرہ کو حضرت عتبہ بن غزوانؓ نے آباد کیا اور کوفہ کو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے بسایا[۲] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تاریخ میں علم و فقر میں باہم خاص تعلق ہے۔

امارت کوفہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ایران کے اکثر حصے فتح کئے تھے، اور کوفہ کو آباد کیا تھا، اس لئے وہی عراق اور کوفہ کی گورنری کے مستحق تھے، چنانچہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اُن کو وہاں کا گورنر مقرر کیا اور وہ ایک مدت تک وہاں کے گورنر رہے، لیکن بعد کو اہل کوفہ کو اُن سے متعدد شکائتیں پیدا ہوئیں، جن میں ایک شکایت یہ تھی کہ وہ نماز ٹھیک طور پر نہیں پڑھاتے، ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں یہ شکائیت کی تو انہوں نے اُن کو طلب فرما کر کہا کہ "یہ لوگ کہتے ہیں کہ تم نماز ٹھیک طور پر نہیں پڑھاتے" اُنہوں نے جواب دیا کہ "خدا کی قسم میں اُن کو بالکل رسول اللہ صلعم کی نماز پڑھاتا ہوں، اُس میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتا تھا، عشاء کی نماز پڑھاتا ہوں تو پہلے کی دو رکعتوں کو طول دیتا ہوں، اور آخیر کی دو رکعتوں میں تخفیف کرتا ہوں"

حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ "تمہاری نسبت یہی گمان ہے" لیکن باایں ہمہ حسن ظن تحقیقات واقعہ کے لئے اُن کے ساتھ ایک یا چند آدمی کر دئے کہ خود اہل کوفہ سے اُن کے متعلق حالات دریافت کریں، ان لوگوں نے تمام مسجدوں میں دریافت کیا اور سب نے

[ا] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاص ترمذی [۲] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاص نمبر ۱۲

اُن کی تعریف کی، لیکن جب قبیلہ بنو عبس کی ایک مسجد میں آئے تو ایک شخص جس کا نام اسامہ بن قتادہ اور ابو سعدہ کنیت تھی اُٹھا اور کہا کہ "اگر تم ہم سے قسم لے کر واقعہ پوچھتے ہو تو اصل حقیقت یہ ہے کہ سعد فوج نہیں بھیجتے تھے، برابر برابر مال نہیں تقسیم کرتے تھے، اور مقدمات میں انصاف نہیں کرتے تھے"

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اُس کی زبان سے یہ شکایتیں سُنیں تو فرمایا کہ "خدا کی قسم میں تین بد دُعائیں دیتا ہوں، خداوندا! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور ریا کاری سے اور طلب شہرت کے لئے اُٹھا ہے تو اُس کی عمر کو بڑھا، اُس کے فقر کو بڑھا اور اُس کو فتنوں میں مبتلا کر"، چونکہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مستجاب الدعوات تھے اس لئے اُن کی یہ بددُعائیں مقبول ہوئیں، اور اُس نے اس قدر طویل عمر پائی کہ اُس کے دونوں اَبرو لٹک کر آنکھوں تک آ گئے تھے، اور راستے میں چلتا تھا تو لڑکیوں کو ٹٹولتا پھرتا تھا، لوگ پوچھتے تھے تو کہتا تھا کہ مجھ پر سعد کی بددُعا پڑ گئی[۱] لیکن بایں ہمہ حضرت عمرؓ نے اُن کو ۲۱ ہجری میں معزول کر دیا اور اُن کی جگہ پر تین شخص مقرر کئے حضرت عمار بن یاسرؓ نماز پڑھانے کے لئے مامور ہوئے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق بیت المال کی نگرانی کی گئی، اور حضرت عثمان بن حنیفؓ زمین کی پیمائش کے لئے مقرر ہوئے، اس کے بعد حضرت عمار بن یاسرؓ کو معزول کر دیا، اور دوبارہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ کا گورنر بنا کر بھیجا، اور پھر دوبارہ اُن کو معزول کر دیا، لیکن ایک روایت میں ہے کہ جب اُنہوں نے اُن کو دوبارہ کوفہ کا گورنر مقرر کر کے بھیجنا چاہا تو اُنہوں نے انکار کیا اور کہا کہ "آپ مجھے ایسی قوم میں بھیجتے ہیں جو یہ کہتی ہے کہ میں نماز ٹھیک طور پر نہیں پڑھاتا"، چنانچہ حضرت عمرؓ نے بھی اُن کو وہاں بھیجنا مناسب نہیں سمجھا لیکن جب حضرت عمرؓ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو اہل شوریٰ میں داخل کیا اور کہا کہ "اگر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ خلافت کا بوجھ سنبھال لیں تو بہتر ہے

---

[۱] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب وجوب القراۃ للامام والماموم فی الصلوٰۃ

ورنہ جو شخص والی ہو وہ اُن کی امانت سے فائدہ اٹھائے کیونکہ مَیں نے اُن کو اس لئے معزول نہیں کیا کہ وہ کام کرنے کے قابل نہ تھے، یا وہ خائن تھے"[۱]

اعتزال عن الفتنة حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی عمر کا بیشتر حصہ اگرچہ جہاد میں صرف ہوا، کوفہ کی گورنری کی حیثیت سے اُنہوں نے ایک مدت تک سیاسی زندگی بھی بسر کی، وفات کے وقت حضرت عمر بن الخطابؓ نے اُن کو ارباب شوریٰ میں داخل کر کے خلافت کا مستحق بھی قرار دیدیا تھا، اور ان تمام واقعات کے لحاظ سے اگر اُن کے دل میں مناسب موقع پر خلافت وامارت کا جذبہ پیدا ہوتا تو بالکل بجا طور پر پیدا ہوتا، لیکن اُن کی بے نفسی نے اُن کے دل میں اس قسم کا دُھندلا سا خیال بھی پیدا نہیں ہونے دیا، چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب مسلمانوں میں خانہ جنگی برپا ہوئی تو اُنہوں نے اُس سے بالکل علیحدگی اختیار کر لی اور عام آبادی سے الگ ایک قطعہ زمین خرید کر اہل وعیال کے ساتھ اُس میں نکل گئے[۲] اور مسلمانوں کے ان دردانگیز حالات کے سُننے سے اپنے کان بالکل بند کر لئے، اور اپنے اہل وعیال کو حکم دیدیا کہ جب تک تمام اُمت کا ایک امام پر اتفاق نہ ہو جائے اُن کو مسلمانوں کے واقعات کی مطلق اطلاع نہ دیں[۳] یہاں تک کہ خود اُن کے فرزند حضرت عمر بن سعد نے اُن کو دعوائے خلافت کرنے پر آمادہ کیا لیکن اُنہوں نے صاف انکار کر دیا[۴]، اُن کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ نے بھی اُن کو یہ کہہ کر اُبھارا کہ "یہاں ایک لاکھ تلواریں موجود ہیں، اور لوگ آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتے ہیں" لیکن اُنہوں نے کہا کہ "مَیں صرف ایک تلوار چاہتا ہوں جس سے مسلمانوں کو ماروں تو کچھ اثر نہ کرے، اور اگر کافر کو ماروں تو اُس کو زخمی کر دے"[۵]، ابن سعد میں ایک

[۱] استیعاب تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ [۲] اصابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
[۳] استیعاب تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ [۴] استیعاب تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ
[۵] اصابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ۱۲

روایت ہے کہ اُنہوں نے فرمایا کہ "میں اُسوقت تک جنگ نہ کروں گا جب تک لوگ میرے پاس ایسی تلوار نہ لائیں جس کی دو آنکھیں، ایک زبان اور دو ہونٹھ ہوں، اور وہ کہے کہ یہ مسلمان ہے اور یہ کافر ہے" حضرت امیر معاویہؓ نے بھی اُن کو اپنے ساتھ شریک کرنا چاہا اور نظم و نثر میں بہت سے خطوط لکھے لیکن اُنہوں نے شرکت سے انکار کر دیا، لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے اُن لوگوں کی نسبت سوال کیا جو اس فتنہ سے الگ رہے تو اُنہوں نے جواب دیا کہ "ان لوگوں نے حق کو تو چھوڑ دیا لیکن باطل کی اعانت نہیں کی"[1]

وفات حضرت سعد بن ابی وقاصؓ عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں، اور عشرہ مبشرہ میں سب سے زیادہ دُنیا کو انہی کی ذات سے فیض اُٹھانے کا موقع ملا ہے کیونکہ ان میں سب سے آخیر میں اُنہیں نے وفات پائی ہے[2]،

عشرہ مبشرہ کے علاوہ مہاجرین میں بھی سب سے زیادہ دُنیا نے حضرت سعد بن ابی وقاص ہی سے فیض پایا کیونکہ مہاجرین میں بھی سب سے آخیر میں اُنہوں نے انتقال کیا[3]، اُن کی عمر اور سن وفات میں سخت اختلاف ہے، لیکن ابن سعد نے اُن کی بیٹی عائشہ سے جو صحیح ترین روایت کی ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے ۵۵ھ ہجری میں ستر برس سے کچھ اوپر کی عمر میں بمقام عقیق جو مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر ہے، اپنے محل میں انتقال کیا اور لاش آدمیوں کے کندھے پر مدینہ لائی گئی اور مروان بن حکم نے جو اسوقت مدینہ کا والی تھا جنازہ کی نماز پڑھائی،

ازواج مطہرات بھی جنازہ کی نماز میں شریک ہوئیں چنانچہ جب اُن کا انتقال ہوا تو ازواج مطہرات نے کہلا بھیجا کہ "جنازہ مسجد میں لایا جائے" اس پیغام کے مطابق جنازہ اُن کے حجروں کے سامنے لایا گیا اور اُنہوں نے نماز جنازہ پڑھی،

---

[1] استیعاب تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ [2] اصابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

[3] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔

وفات کے وقت اسلام کا ابتدائی فقر اسلام کے انتہائی امارت کے ساتھ بدل گیا تھا، چنانچہ خود اُن کی بیٹی عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں مروان بن حکم کے پاس اپنے مال کی زکوٰۃ پانچ ہزار درہم بھیجی اور مرنے کے بعد ڈھائی لاکھ درہم ترکہ میں چھوڑے[۵۱]،

اُنہوں نے اپنی زندگی میں اگرچہ خدا کی راہ میں بہت سی لڑائیاں لڑی تھیں لیکن غزوہ بدر کی شرکت کو وہ اپنا سب سے بڑا اخروی زادراہ خیال کرتے تھے، چنانچہ اس غزوہ میں جس جبے کو پہن کر اُنہوں نے مشرکین سے جنگ کی تھی اُس کو نہایت احتیاط کے ساتھ محفوظ رکھا تھا وفات کا وقت آیا تو فرمایا کہ مجھ کو اُسی کا کفن دینا کیونکہ میں نے اُس کو اسی مقصد کے لئے چھپا رکھا تھا[۵۲] موت کے وقت اُن کو اپنے اعمال پر پورا اطمینان حاصل تھا" اُن کے بیٹے حضرت مصعب بن سعد روایت کرتے ہیں کہ موت کے وقت اُن کا سر میرے آغوش میں تھا، میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے تو اُنہوں نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ کیوں روتے ہو؟ میں نے کہا کہ "آپ کی اس حالت کو دیکھ کر"، بولے "میرے لئے نہ روؤ خدا مجھ کو کبھی عذاب نہ دیگا اور میں اہل جنت سے ہوں، مسلمان جب تک خالصۃً لوجہ اللہ عمل کرینگے خداوند تعالےٰ اُن کو اُن کی نیکیوں کا بدلہ دے گا[۵۳]"

فضل وکمال حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے رسول اللہ صلعم سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں، اور بہت سے لوگوں نے اُن سے علمی فیض حاصل کیا ہے، اُن کی اولاد بن ابراہیم عامر، مصعب، عمر، محمد، عائشہ اور صحابہ میں حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمر، اور حضرت جابر بن سمرہؓ اور کبار تابعین میں حضرت سعید بن المسیب، حضرت ابو عثمان نہدی، قیس ابن ابی حازم، حضرت علقمہ اور حضرت احنف وغیرہ نے اُن سے

---

[۵۱] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ [۵۲] استیعاب تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ [۵۳] ابن سعد تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ ۱۲

روائتیں کی ہیں لیکن باانیہمہ وہ روایت حدیث میں سخت احتیاط کرتے تھے، چنانچہ سائب بن یزید سے روایت ہے کہ وہ مدینہ سے مکّہ تک اُن کے ساتھ گئے، لیکن اُنہوں نے واپسی تک کوئی حدیث نہیں بیان کی، اس سے بھی زیادہ صاف یہ روایت ہے کہ ایک بار بہت سے لوگ اُن کی خدمت میں گئے، اور اُن سے کسی مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا وہ چپ ہوگئے، اور فرمایا کہ "مجھے خوف ہے کہ میں تم سے ایک حدیث بیان کروں اور تم اُس پر سیکڑوں حدیثوں کا اضافہ کر لو،"[1]

اخلاق وعادات اور عام حالات نہایت مستجاب الدعوات تھے، اور خود رسول اللہ صلعم کی دُعا سے اُن کو یہ فضیلت حاصل ہوئی تھی، تمام لوگ اُن کی اس خصوصیت سے واقف تھے، اور اُن کی دُعاؤں کے اثر سے ڈرتے رہتے تھے، شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کو محبت الٰہی اور محبت رسولؐ کا نتیجہ قرار دیا ہے، چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں کہ

> جب خدا کے ساتھ مومن کی محبت اس درجہ مکمل ہو جاتی ہے تو خدا بھی اُس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے اور اس محبت کے مختلف نتائج پیدا ہوتے ہیں جن میں ایک استجابت سوال اور استجابت دُعا ہے، چنانچہ آثار صحابہ میں استجابت دُعا کی متعدد مثالیں ملتی ہیں مثلاً جب حضرت سعدؓ نے ابو سعدہ کو یہ بد دُعا دی کہ خداوندا! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہو تو اُس کی عمر دراز کر (یعنی اُس کو ارذل عمر تک پہنچا) اُس کی احتیاج کو بڑھا اور اُس کی عزت وآبرو کو خطرے میں ڈالدے تو اُنہوں نے جو کچھ کہا وہی ہُوا،

اخلاق وعادات کے لحاظ سے وہ گویا مجموعہ اضداد تھے، وہ خود کہتے ہیں کہ "میں اپنی ماں کا نہایت فرمانبردار لڑکا تھا، لیکن باانیہمہ جب اُن کے اسلام لانے پر اُن کی ماں نے کھانا پینا چھوڑ کر اُن کو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا تو اُنہوں نے صاف صاف کہدیا کہ

---

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔

"اگر تمہاری ہزار جانیں ہوں اور ہر جان باری باری کرکے نکلے تب بھی میں اپنے دین کو چھوڑ نہیں سکتا،

حضرت عمر بن الخطابؓ کو جب کوئی شخص مل جاتا تھا تو اُس سے اپنے اعمال کے حالات اور اخلاق وعادات دریافت فرمایا کرتے تھے، ایک بار انہوں نے اسی دستور کے مطابق عمرو بن معدی کرب سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے حالات دریافت فرمائے تو اُنہوں نے نہایت فصیح وبلیغ الفاظ میں اُن کے ان متضاد اخلاق کو بیان کیا، چنانچہ اُن کے الفاظ یہ ہیں،

متواضع فی خبائه اعرابی فی نمرته اسد فی تاموره یعدل فی القضیة ویقسم بالسویة ویبعد فی السریة ویعطف علینا عطف الام البرة وینقل الینا حقنا نقل الذرة[۱]	وہ اپنے خیمے میں نہایت خاکسار، اپنی چادر میں بدّو، اور اپنی جھاڑی میں شیر ہیں، مقدمات میں انصاف کرتے ہیں، حصّہ برابر برابر تقسیم کرتے ہیں، اور فوجوں میں دُور تک چلے جاتے ہیں اور ہم سے مادرِ شفقہ کی طرح محبّت کرتے ہیں، اور چیونٹی کی طرح ہمارا حق ہم تک پہنچاتے ہیں،

اصابہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جریر سے دریافت فرمایا اور انہوں نے یہ الفاظ کہے،

ترکته فی ولایة اکرم الناس مقدرة واقلهم قوة وهو لهم کالام البرة یجمع لهم کما تجمع الذرة اشد الناس عند الباس واحب قریش عند الناس۔	میں نے اُن کو اُنکی گورنری میں اس حال میں چھوڑا کہ وہ مقدرت میں شریف ترین انسان تھے اُن میں سختی بہت کم تھی وہ لوگوں کیلئے مثل مادرِ شفقہ کے تھے اُنکی روزی کو چیونٹی کی طرح جمع کرتے تھے لڑائی میں سب سے زیادہ سخت تھے، اور قریش میں لوگوں کو سب سے زیادہ محبوب تھے

رسول اللہ صلعم کے ارشادات پر اگرچہ تمام صحابہ نہایت شدت کے ساتھ عمل کرتے تھے

---

[۱] اسد الغابہ تذکرہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ

لیکن ہر ایک کا طرزِ عمل اُس کی طبعی مناسبت کے موافق ہوتا تھا، چونکہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی طبیعت میں لطف و محبت کا مادہ شدت کے ساتھ موجود تھا، اس لئے وہ آپکے اسی قسم کے ارشادات پر عمل فرماتے تھے، اور انصار کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ سلوک کرتے تھے، چنانچہ ایک بار اُن کے صاحبزادے نے اس کی وجہ دریافت کی تو بولے کہ "کیا تم کو یہ ناگوار ہوتا ہے؟" اُنہوں نے کہا "نہیں، لیکن مجھے اُس پر تعجب ہوتا ہے" فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سُنا ہے کہ

لا یحبہم الا مومن ولا یبغضہم الا منافق — انصار سے صرف مسلمان محبت کریگا، اور صرف منافق اُن سے بغض رکھیگا

باوجودیکہ ابتدائی زمانہ نہایت عسرت کے ساتھ بسر کیا تھا، لیکن طبیعت میں فیاضی کا مادہ بہت تھا، ایک بار سخت بیمار ہوئے، تو رسول اللہ صلعم عیادت کو تشریف لائے، بولے "یا رسول اللہ، میرے پاس دولت بہت ہے، اور صرف ایک لڑکی میری وارث ہوتی ہے، تو کیا میں اپنا دو ثلث مال کی وصیت کر دوں؟" آپؐ نے فرمایا "نہیں" بولے "تو نصف" آپؐ نے اس کی بھی اجازت نہیں دی تو بولے "ثلث" آپؐ نے فرمایا "ہاں ثلث اور ثلث بہت ہے"

حضرت خباب بن الارتؓ

"میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلعم کے ساتھ ایسی حالت میں پایا
کہ ایک دینار اور ایک درہم بھی میرے ملک میں نہ تھا"

یہ الفاظ جن بزرگ کی زبان سے ادا ہوئے ہیں اُن کا نام خباب بن الارتؓ ہے، ابتدا ہی سے آماجگاہ مصائب تھے، زمانۂ جاہلیت میں گرفتار کر کے غلام بنائے گئے، لیکن قبیلہ خزاعہ کی ایک عورت نے خرید کران کو آزاد کر دیا[51]، دعوت اسلام کی صدا کانوں میں پہنچی تو فوراً بلا طمع و ترغیب لبیک کہا، ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ صلعم کے دار ارقم میں جانے سے پہلے اسلام لائے، اسد الغابہ میں ہے کہ وہ چھٹے مسلمان تھے، جن میں اکثر مظلوم بیکس اور مصیبت زدہ تھے، چنانچہ مجاہد کا قول ہے کہ "سب سے پہلے رسول اللہ صلعم حضرت ابو بکرؓ، حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت سمیہ ام عمار رضوان اللہ علیہم نے اپنے اسلام کا اظہار کیا، لیکن رسول اللہ صلعم تو اپنے چچا حضرت ابو طالب کی وجہ سے محفوظ رہے، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی حمایت اُن کی قوم نے کی، بقیہ لوگوں کو کفار نے لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں ڈال دیا، اور لوہے کی گرمی اور دھوپ کی تمازت سے اُن کا جو حال ہُوا ہو گا اُس کو خدا ہی بہتر جانتا ہے، لیکن با ایں ہمہ حضرت خبابؓ نے صبر و استقلال سے کام لیا اور کفّار کا کہنا نہ کیا، اس پر اُن کی آتش غضب اور بھڑکی اور اُنھوں نے اُن کو پتھر کی چٹان پر لٹا دیا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ اُن کی پیٹھ کا گوشت جل بھُن کر بالکل غائب ہو گیا[52]"

حضرت خبابؓ نے مختلف مواقع پر خود اپنی اس مصیبت کو بیان کیا ہے، چنانچہ

---

[51] استیعاب تذکرہ حضرت خباب بن الارتؓ، [52] اسد الغابہ تذکرہ حضرت خباب بن الارتؓ۔

ایک بار حضرت عمر بن الخطابؓ نے اُن سے مشرکین کے مظالم کا حال پوچھا تو بولے کہ "یا امیرالمومنین میری پیٹھ کو ملاحظہ فرمایئے، اُنہوں نے دیکھا تو بولے کہ "میں نے ایسی پیٹھ کسی آدمی کی نہیں دیکھی" حضرت خبابؓ نے کہا کہ "آگ جلادی گئی تھی اور میں اُس پر لٹا دیا گیا تھا، یہاں تک کہ اُس کو میری پیٹھ کی چربی کے سوا کسی اور چیز نے نہیں بجھایا"[۱] ایکبار اور وہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اُنہوں نے اُن کو اپنے سرہانے بٹھا کر کہا کہ "سطح زمین پر ان سے زیادہ اس جگہ کا مستحق ایک شخص کے سوا اور کوئی نہیں" حضرت خبابؓ بولے کہ "وہ کون؟" فرمایا کہ "بلالؓ" حضرت خبابؓ نے کہا کہ "اے امیرالمومنین وہ مجھ سے زیادہ اس جگہ کے مستحق نہیں ہیں، خود مشرکین میں بعض لوگ ایسے تھے جو بلالؓ کی حمایت و حفاظت کرتے تھے لیکن میرا حامی کوئی نہ تھا ایک روز مجھ کو کُفار نے پکڑ کر آگ پر لٹا دیا اور ایک شخص میرے سینے پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہوگیا اس لئے میری پیٹھ کے سوا کوئی چیز زمین کے لئے حائل نہ تھی" اس کے بعد اُنہوں نے اپنی پیٹھ کھولی تو اُس میں سفید داغ تھے[۲] بالآخر پیمانہ صبر لبریز ہوگیا تو ان مصیبت زدگان اسلام نے رسول اللہ صلعم سے درخواست کی کہ "ہمارے لئے خداوند تعالےٰ سے مدد طلب فرمایئے" لیکن بارگاہ نبوت میں یہ مشترکہ درخواست منظور نہیں ہوئی، چنانچہ آپ خانہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، ان لوگوں کی فریاد سُن کر سیدھے بیٹھ گئے، چہرہ مُبارک کا رنگ سُرخ ہوگیا، اور فرمایا کہ "تم سے پہلے ایسے لوگ موجود تھے جن کو زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا، پھر اُن کے سر پر آرہ چلایا جاتا تھا لیکن یہ آزمائش اُن کو اپنے دین سے نہیں پھیر سکتی تھی، اُن کو لوہے کی کنگھی کی جاتی تھی، جس سے اُن کا گوشت اُدھڑ جاتا تھا، لیکن یہ آزمائش بھی اُن کو اپنے دین سے برگشتہ نہیں کرسکتی تھی، خدا اس کام کو اس طرح پورا کرے گا کہ سوار صنعاء سے حضر موت تک کا سفر کرے گا اور اُس کو دو چیزوں کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا ایک خدا کا،

---

[۱] اسدالغابہ تذکرہ حضرت جناب بن الارتؓ [۲] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت جناب بن الارتؓ

دوسرے اپنی بکریوں کے لئے بھیڑئے کا، لیکن تم لوگ ابھی عجلت کر رہے ہو" باایں ہمہ حضرت خباب رض کی حالت متعدد وجوہ کی بنا پر ان لوگوں سے مختلف تھی، کیونکہ رسول اللہ صلعم کو ان سے اُلفت تھی اور آپ اُن کے پاس آیا جایا کرتے تھے، اُن کی آقا جیسا کہ اوپر گذرا ایک عورت تھی، اُس کو خبر ہوئی تو اُس نے اِس جرم میں اُن کو نہایت ظالمانہ سزا دینا شروع کی، اور اس کا قدرتی سامان خود حضرت جناب رض کے پاس موجود تھا، وہ حدادی کا پیشہ کرتے تھے، اور تلوار ڈھالتے تھے، اس لئے لوہے سے سروکار رہتا تھا، وہ ظالمہ گرم لوہے کو اُٹھا کر اُن کے سر پر رکھتی تھی جس کا اثر قدیم زمانہ کی لوہے کی کنگھی سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہوگا، حضرت جناب رض نے بارگاہ نبوت میں اس ظلم کی شکایت کی تو آپ نے دعا فرمائی

اللھم انصر خبابا — خداوندا! خباب رض کی مدد کر،

خداوند تعالےٰ نے یہ دعا قبول فرمائی، اور خود حضرت خباب رض کے ہاتھوں اُس کو اپنے ظلم کی سزا مل گئی، یعنی اُس کے سر میں کوئی مرض ہوا جس کی تکلیف سے وہ کتوں کی طرح بھونکا کرتی تھی، علاج یہ تجویز کیا گیا کہ وہ اپنے سر کو لوہے سے دغوائے، چنانچہ یہ خدمت حضرت خباب رض کے سپرد ہوئی، اور اُنھوں نے گرم لوہے سے اُس کے سر کو داغنا شروع کیا[۱]،

ان مصائب پر فقر و فاقہ کی مصیبت مستزاد تھی، خود فرماتے ہیں کہ "میں ایک دینار اور ایک درہم کا بھی مالک نہ تھا" حدادی کا پیشہ کرتے تھے، لیکن ظالم کفار اُس کی اُجرت بھی نہیں دیتے تھے، باایں ہمہ فقر و فاقہ قوت ایمان کا یہ حال تھا کہ جب عاص بن وائل سے اُنھوں نے اپنے قرض کا تقاضا کیا اور اُس نے کہا کہ "جب تک تم محمد کی رسالت کا انکار نہ کرو گے میں تمہارا قرض نہ ادا کروں گا" تو اُنھوں نے کہا "یہ تو اُسوقت ہوگا جب تم مرکر دوبارہ مبعوث کئے جاؤ گے[۲]"،

ہجرت	حضرت جناب رض اور حضرت مقداد بن عمرو رض نے ساتھ ساتھ ہجرت کی اور حضرت کلثوم بن

[۱] اسد الغابہ تذکرہ حضرت جناب بن الارت رض [۲] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت جناب بن الارت رض

الہدمؓ کے مکان پر اُترے اور وہیں مقیم رہے، لیکن غزوہ بدر سے کچھ دنوں پیشتر حضرت کلثومؓ کا انتقال ہو گیا تو وہاں سے منتقل ہو کر حضرت سعد بن عبادہؓ کے مکان میں چلے آئے اور غزوہ بنو قریظہ کے زمانے تک وہیں مقیم رہے،

مواخات طبقات ابن سعد میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے حضرت جبر بن عتیکؓ سے اُنکی مواخات کرائی، لیکن اسد الغابہ میں اس روایت کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اُن میں اور خراش بن الصمہ کے آزاد شدہ غلام تمیم کے درمیان مواخات کرائی تھی، اور صاحب استیعاب نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مواخات کا جو سلسلہ اسلام نے قائم کیا تھا وہ ایک خاص اصول کا پابند تھا یعنی جن لوگوں میں کوئی خاص طبعی مناسبت ہوتی تھی اُنہی لوگوں کے درمیان مواخات کرائی جاتی تھی، حضرت جنابؓ بھی چونکہ آزاد شدہ غلام تھے اس لئے اُن کی مواخات میں بھی اس طبعی مناسبت کا لحاظ رکھا گیا،

شرکت غزوات حضرت جنابؓ نے تمام مشہور غزوات مثلاً بدر، احد، اور خندق میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ شرکت کی۔

اخلاق وعادات حضرت جنابؓ نے اگرچہ ابتدائے اسلام میں نہایت غربت وافلاس کے ساتھ زندگی بسر کی، لیکن اس حالت میں بھی اُنھوں نے دین کو دُنیا پر مقدم رکھا، چنانچہ عاص بن وائل کے واقعہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، اس کے بعد خدا وند تعالیٰ کے فضل وکرم نے اُن کو دولت دی، تو اس حالت میں بھی اُنھوں نے نعیم اخروی کے مقابل میں اس کو ایک حقیر چیز خیال کیا، چنانچہ حارثہ بن مضرب نے مرض الموت میں اُنکی عیادت کی تو اُنھوں نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلعم نے یہ تمنائے موت کی ممانعت نہ کی ہوتی تو میں موت کی آرزو کرتا، قباطی کپڑے کا کفن اُن کے سامنے لایا گیا، تو اُن کو اسلام کی ابتدائی غربت یاد آگئی اور رو کر بولے کہ رسول اللہ صلعم کے چچا حمزہؓ ایک چادر میں کفنائے گئے

جس کو اُن کے پانوں کی طرف کھینچا جاتا تھا تو سر کھُل جاتا تھا، اور جب سر کی طرف کھینچا جاتا تھا تو پانوں کھُل جاتے تھے، یہانتک کہ اُن کو اذخر (ایک گھاس) سے ڈھانکا گیا، میں خود رسول اللہ صلعم کے ساتھ اس حالت میں تھا کہ ایک دینار اور ایک درہم بھی میرے ملک میں نہ تھا، اور آج میرے گھر کے کونے میں، میرے صندوق کے اندر پورے چالیس ہزار ہیں، مجھے خوف ہے کہ ہماری لذیذ چیزیں، ہم کو بہت جلد مل گئیں،

روایت حدیث حضرت خبابؓ سے اُن کے فرزند حضرت عبداللہ، مسروق، قیس بن ابی حازم، شقیق، عبداللہ بن سنجرہ ابو میسرہ عمرو بن سرجیل، امام شعبی، اور حارثہ بن مقربؒ وغیرہ نے روایت کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تلامذہ کا ایک مستقل گروہ تھا جو روایت حدیث اور ارشادؔ ہدایت کے لئے اُن کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، لیکن وہ غایت تدین سے اس میں نہایت احتیاط کرتے تھے، چنانچہ ایک بار وہ مسجد میں آئے اور خاموش بیٹھ گئے تلامذہ پہلے سے موجود تھے، سب نے روایت حدیث اور ارشاد و ہدایت کی درخواست کی، بولے کہ میں ان کو کس چیز کا حکم دوں، ایسا نہ ہو کہ میں اُن کو ایسی چیز کے کرنے کا حکم دوں جس کو میں خود نہ کرتا ہوں[1]،

وفات حضرت خبابؓ نے کوفہ میں سخت بیماری اُٹھانے کے بعد ۳۷ ہجری میں ۷۳ سال کی عمر میں انتقال کیا، اور مرتے مرتے بھی ایک ایسی اصلاح کر گئے، جس پر اہل کوفہ ہمیشہ عمل کرتے رہے، حضرت خبابؓ کی وفات سے پہلے اہل کوفہ اپنے مردوں کو اپنے مکانات کے صحنوں اور اپنے گھروں کے دروازوں پر دفن کرتے تھے، لیکن حضرت خبابؓ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ وہ شہر کے باہر دفن کئے جائیں، اور فرمایا کہ "اگر تم ایسا کرو گے تو لوگ کہیں گے کہ شہر کے باہر رسول اللہ صلعم کے ایک صحابی مدفون ہیں، اس لئے وہ بھی شہر ہی کے باہر اپنے مُردوں کو دفن کرنے لگیں گے"، چنانچہ اس وصیت کے مطابق جو شخص سب

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت خباب بن الارت رضؓ

پہلے کوفہ کے باہر مدفون ہُوا وہ حضرت جناب بن الارتؓ تھے، اسکے بعد اور تمام لوگوں نے اسکی تقلید کی،
حضرت جنابؓ کے وفات کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ معرکہ صفین میں مصروف تھے، لیکن صفین سے
پلٹ کر جب کوفہ کے دروازے کے پاس آئے، تو داہنی جانب سات قبریں نظر آئیں، اُنہوں نے
دریافت کیا کہ کیسی قبریں ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ "آپ جب جنگ صفین کی شرکت کو روانہ ہوئے تو
اُسکے بعد حضرت جناب بن الارتؓ نے انتقال کیا اور یہ وصیت کی کہ وہ شہر کے باہر دفن کیے جائیں
چنانچہ اُن کو دیکھ کر اور لوگوں نے بھی شہر کے باہر مُردے دفن کرنا شروع کر دیئے"، حضرت علیؓ نے
یہ سُن کر فرمایا کہ "خدا جناب پر رحم کرے وہ رغبت کے ساتھ اسلام لائے، خوشی سے ہجرت کی،
مجاہدانہ زندگی بسر کرتے رہے، اور اُن کے جسم کی آزمائش کی گئی، جو شخص اچھا کام کرتا ہے خدا
اُسکے اجر کو ضائع نہیں کرتا" اسکے بعد ان قبروں کے پاس آئے اور فرمایا "السلام علیکم اے مومن
مسلم اہل دیار، تم ہمارے پیشرو ہو، اور ہم تمہارے پس رو، چند دنوں میں تم سے ملنے والے ہیں،
خداوندا ہماری اور اُن کی مغفرت فرما اور ہم سے اور اُن سے درگذر کر، خوشخبری ہو اُس شخص کے لئے
جسنے قیامت کو یاد کیا اور حساب کے لئے عمل کیا اور تھوڑے پر قناعت کی، اور خداوند تعالیٰ کو
راضی رکھا"

بعض روایتوں میں ہے کہ وہ جنگ صفین اور نہروان میں حضرت علیؓ کے ساتھ شریک ہوئے
اور بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے سنہ ۱۹ھ ہجری میں وفات پائی، اور حضرت عمرؓ نے اُنکے
جنازے کی نماز پڑھائی، لیکن یہ دونوں روایتیں غلط ہیں، کیونکہ وہ جنگ صفین کے زمانے میں
سخت بیمار تھے، اور سنہ ۱۹ھ ہجری میں ان کے دوسرے ہمنام جناب مولیٰ عتبہ بن غزوان نے وفات
پائی ہے، اور اسی ہمنامی کی وجہ سے بعض لوگوں نے غلطی سے حضرت جناب بن الارتؓ کو حضرت
عتبہ بن غزوان کا غلام لکھا ہے، بعض علماء کا خیال ہے کہ لوہار۔ کا پیشہ بھی حضرت عتبہ بن غزوانؓ
کے غلام جنابؓ کرتے تھے، حضرت جناب بن الارتؓ لوہار نہ تھے۔

سلہ طبقات ابن سعد و اسد الغابہ تذکرہ حضرت جناب بن الارتؓ ۱۲

حضرت مصعب بن عمیرؓ

سابقین اسلام میں اب تک جن بزرگوں کے تذکرے گذر چکے ہیں، وہ ابتداء میں تو نہایت مُفلس و تنگدست تھے، لیکن بعد کو فضل خداوندی سے اُن کو حکومتیں ملیں، فتوحات حاصل ہوئیں، اور وہ جاہ و دولت سے مالا مال ہو گئے، لیکن حضرت مصعب بن عمیرؓ کی حالت ان بزرگوں سے بالکل مختلف ہے، وہ ابتداء میں نہایت خوشرو اور ناز پرور جوان تھے، اُن کے باپ ماں اُن سے نہایت محبت رکھتے تھے، اور چونکہ اُن کی والدہ نہایت دولتمند تھیں، اس لئے اُن کو بہتر سے بہتر اور باریک سے باریک کپڑے پہناتی تھیں، وہ خوشبو کا بہ کثرت استعمال کرتے تھے، اور حضرمی جوتی پہنتے تھے، خود رسول اللہ صلعم بھی اُن کی وضع و قطع کا تذکرہ کیا کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ "میں نے مکہ میں مصعب بن عمیرؓ کے بال سے بہتر بال، اُن کے لباس سے نرم و نازک لباس، اور اُن سے زیادہ ناز پروردہ کسی کو نہیں دیکھا" لیکن اسی عیش و تنعم کی حالت میں اُن کو خبر ملی کہ رسول اللہ صلعم دار ارقم میں دعوت اسلام دے رہے ہیں، حاضر خدمت ہو کر اسلام لائے، اور اوّل اوّل اپنی ماں اور اپنی قوم کے خوف سے اپنے اسلام کو بہت کچھ چھپایا اور مخفی طور پر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں آتے جاتے رہے، لیکن ایک روز اُن کو عثمان بن طلحہ نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا اور اُن کی والدہ اور اُن کی قوم کو اس کی خبر کر دی، اور ان لوگوں نے ان کو قید کر دیا، ماں کی آنکھ پھری تو عیش کے وہ سامان جاتے رہے، اور اب اُن کی حالت تمام صحابہ سے بدتر ہو گئی، چنانچہ ایک روز رسول اللہ صلعم صحابہ کرام کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے، اسی حالت میں سامنے سے وہ اس حالت میں گذرے کہ بدن پر صرف چادر کا ایک ٹکڑا تھا، اور اُسی میں چمڑے کا جوڑ لگا کر آستین بنائی تھی، صحابہ کرام نے اُن کو اس پھٹی حالت میں

دیکھا تو اُن پر ترس کھا کر اسی شرم سے گردن جھکالی کہ خود اُن کے پاس اس قدر سامان نہ تھا کہ اُن کی اس حالت میں تغیر پیدا کر سکتے، اُنھوں نے حاضر خدمت ہو کر سلام کیا اور رسول اللہ صلعم نے سلام کا جواب دیا اور اُن کی بہت تعریف کی اور فرمایا کہ "خدا کا شکر ہے، دُنیا اپنے اندر رہنے والوں کی حالت کو بدلتی رہتی ہے، مَیں نے مصعبؓ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ مکہ میں قریش کا کوئی نوجوان ماں باپ کا اس قدر ناز پروردہ نہ تھا، لیکن نیکی کی خواہش اور خدا و رسولؐ کی محبت نے اُن کی حالت بدل دی"[۱] دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اُن کو اس حالت میں دیکھا تو اُن کی گذشتہ حالت کو یاد کر کے رو پڑے اور فرمایا "تمہارا اُسوقت کیا حال ہوگا؟ جب تم میں ہر شخص شام و صبح مختلف جوڑے بدلے گا، اور اُس کے سامنے ایک پیالہ رکھا جائے گا اور دوسرا پیالہ اُٹھایا جائے گا، اور تم اپنے گھروں میں اس طرح پردے ڈالو گے جس طرح خانہ کعبہ پر ڈالے جاتے ہیں" صحابہ نے کہا کہ "اُسوقت ہماری حالت آج سے بہتر ہوگی، اور ہم صرف مصروف عبادت رہینگے اور محنت و مشقت سے نجات حاصل ہوگی" ارشاد ہوا "تم آج اُس دن سے بہتر حالت میں ہو"[۲]

جو صحابہ خود فقر و فاقہ کی مصیبت میں مبتلا تھے وہ بھی حضرت مصعب بن عمیرؓ کی ترحم انگیز حالت سے متاثر تھے، اور اُن کی غربت و فلاکت کو بطور مثال کے پیش کرتے تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بھی جیسا کہ اوپر گذر چکا اسی قسم کے مصیبت زدہ بزرگ تھے، لیکن خود اُن کا بیان ہے کہ "ہم لوگ مکہ میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ نہایت سختی کی زندگی بسر کرتے تھے، لیکن جب ہم پر کوئی مصیبت نازل ہوتی تھی تو اُس کو قبول کر لیتے تھے، اُس پر ثابت قدم رہتے تھے اور صبر کرتے تھے، مصعب ابن عمیرؓ جب تک اپنے باپ ماں کے ساتھ رہے، نہایت ناز و نعمت کی زندگی بسر کرتے رہے، اور بہترین جوڑے پہنتے رہے، اس کے بعد اسلام لائے تو سخت تکلیف میں مبتلا ہو گئے، یہاں تک کہ

---

[۱] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت مصعب بن عمیرؓ [۲] اسد الغابہ تذکرہ حضرت مصعب بن عمیرؓ

میں نے دیکھا کہ اُن کی کھال سانپ کی کیچلی کی طرح اُدھڑ گئی ہے"[۵۱]

ہجرت

ایک مدت تک یہ تمام تکلیفیں برداشت کرکے حضرت مصعب ابن عمیرؓ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے، پھر جب تمام مسلمان وہاں سے واپس ہوئے تو وہ بھی اُن کے ساتھ واپس آئے، اور اس حالت میں آئے کہ اُن کی ماں نے بھی اسلام قبول کرنے پر اُن کو لعنت ملامت کرنا چھوڑ دیا[۵۲] اس کے بعد جب اہل عقبہ اولیٰ جن میں بارہ شخص شامل تھے، اسلام قبول کرکے مکّہ سے مدینہ واپس گئے اور انصار میں اسلام کی اشاعت ہوئی، تو انصار نے رسول اللہ صلعم کو ایک خط لکھا کہ "ہمارے پاس ایک ایسا شخص روانہ فرمائیے جو ہم کو دین کی باتیں سمجھائے، اور قرآن مجید کی تعلیم دے"، رسول اللہ صلعم نے اس اہم کام کے لئے حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو انتخاب کیا اور یہ پہلا دن تھا کہ ہجرت مدینہ کی ابتدا ہوئی، چنانچہ حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ "مہاجرین میں سب سے پہلے مدینہ میں حضرت مصعب ابن عمیرؓ آئے، اس کے بعد حضرت عمرو بن مکتومؓ نے ہجرت کی، پھر حضرت عمار بن یاسرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اور حضرت بلالؓ تشریف لائے، اس کے بعد حضرت عمر بن الخطابؓ بیس شتر سواروں کے ساتھ آئے، سب کے آخیر میں خود رسول اللہ صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مدینہ کو شرف ورود بخشا،

اشاعت اسلام اور تعلیم قرآن

بہرحال تمام صحابہ میں سب سے پہلے حضرت مصعب ابن عمیرؓ ہجرت کرکے مدینہ آئے اور حضرت سعد بن زرارہؓ کے مکان پر قیام فرمایا اور اپنے متعلقہ کام میں مصروف ہو گئے، معمولاً انصار کے خاندانوں اور قبیلوں میں جاتے، اُن کو دعوت اسلام دیتے اور قرآن مجید پڑھاتے[۵۳]، اور اس کے اثر سے روز دو ایک آدمی مسلمان ہو جاتے، اسد الغابہ میں ہے کہ حضرت اسید بن حضر اور حضرت سعد بن معاذؓ اُنہی کے ہاتھ پر

---

[۵۱] اسد الغابہ تذکرہ حضرت مصعب ابن عمیرؓ [۵۲] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت مصعب ابن عمیرؓ

[۵۳] اس لئے ان کا لقب قاری اور مقری ہے ۱۲

اسلام لائے اور یہ اُن کا نہایت پُر فخر کارنامہ ہے، اس طرح رفتہ رفتہ عوالی اور انصار کے خاندانوں میں عام طور پر اسلام پھیل گیا، اور صرف حطمہ، وائل اور واقف کے چند گھرانے باقی رہ گئے، اس طرح جب مسلمانوں کی ایک کافی جماعت پیدا ہو گئی تو حضرت مصعب ابن عمیرؓ نے اُن کو ایک مذہبی سلسلے میں منتظم کرنا چاہا، اور رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لکھا کہ اُن کو نماز جمعہ کے قائم کرنے کی اجازت دی جائے، آپ نے اُن کو اجازت دی، اور اُنھوں نے سب سے پہلے حضرت سعد بن خیثمہؓ کے گھر میں نماز جمعہ جس میں بارہ۱۲ آدمی شریک تھے پڑھائی،[۱]

اسد الغابہ میں ہے کہ اوس وخزرج کے قبیلوں میں چونکہ ایک دوسرے کی امامت کو ناپسند کیا جاتا تھا اس لئے حضرت مصعب بن عمیرؓ امامت بھی کرتے تھے، ان تین اہم مذہبی خدمات یعنی اشاعت اسلام، تعلیم قرآن اور امامت نماز کو بوجوہ احسن انجام دے کر حضرت مصعب ابن عمیرؓ حجاج کے اُس مبارک قافلے کے ساتھ جس میں ستر اشخاص شامل تھے، اور جو لوگ عقبہ ثانیہ میں اسلام کی دولت سے مالا مال ہو کر مدینہ کو واپس گئے، حضرت اسعد بن زرارہؓ کی معیت میں مدینہ کو واپس آئے، اور رسول اللہ صلعم کو انصار کے جلد جلد اسلام قبول کرنے کی خبر دی، جس کو سُن کر آپ نہایت مسرور ہوئے، مکہ میں دو ڈھائی مہینے یعنی بقیہ ذیحجہ، محرم، اور صفر میں قیام کر کے ربیع الاول کے ابتداء میں رسول اللہ صلعم سے بارہ۱۲ دن پیشتر دوبارہ ہجرت کر کے مدینہ کو واپس گئے،[۲]

مواخات اس کے بعد رسول اللہ صلعم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے، اور مواخات کا سلسلہ قائم کیا، تو اُس کا طریقہ یہ قرار پایا کہ پہلے دو مہاجر آپس میں بھائی بھائی بنائے جاتے تھے پھر مہاجرین اور انصار کے درمیان یہ سلسلہ قائم کرایا جاتا تھا، چونکہ اس بنا پر مہاجرین میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو جو حضرت مصعب ابن عمیرؓ کی طرح فقر و فاقہ میں مبتلا تھے،

---

[۱] طبقات ابن سعد [۲] طبقات ابن سعد ۱۲

طبعی مناسبت کی بنا پر حضرت مصعب ابن عمیرؓ کا بھائی بنایا گیا اور انصار میں حضرت ایوب انصاریؓ کے ساتھ اُن کی مواخات کرائی گئی جن کی مہمان نوازی اور فیاضی سے اُن کو ہر قسم کی اعانتیں اور سہولتیں حاصل ہو سکتی تھیں،

غزوات کی شرکت مدینہ کے قیام کے بعد غزوات کا سلسلہ قائم ہوا تو حضرت مصعب بن عمیرؓ غزوہ بدر میں رسول اللہ صلعم یعنی مہاجرین کے علمبردار رہے، اور غزوہ احد میں بھی یہ فخر اُنہی کو حاصل ہوا، اور اُنہوں نے اپنے اس شرف کو قائم رکھا،

شہادت چنانچہ اس غزوہ میں عام طور پر صحابہ کے قدم اُکھڑ گئے، لیکن مہاجرین کا یہ علمبردار پورے عزم و استقامت کے ساتھ میدان جہاد میں ثابت قدم رہا، اُن کے قاتل ابن قمیہ نے گھوڑے پر سوار ہو کر اُن کے جھنڈے کو سرنگون کرنا چاہا اور اس غرض سے اُنکے داہنے ہاتھ پر تلوار ماری جو کٹ گیا، لیکن حضرت مصعب بن عمیرؓ نے یہ آیت پڑھی وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الخ اور جھنڈے کو مضبوطی کے ساتھ بائیں ہاتھ میں لے لیا، ظالم نے اس ہاتھ کو بھی تلوار سے جُدا کر دیا اور اب اُنہوں نے جھنڈے کو بازوؤں سے دبا کر سینے سے لگا لیا، اور دوبارہ اسی آیت کی تلاوت فرمائی، اس کے بعد اُس نے نیزے کا وار کیا جو کاری ہوا اور حضرت مصعب ابن عمیرؓ کے ساتھ جھنڈا بھی زمین پر گر پڑا، لیکن اُن کے قبیلے کے دو شخصوں یعنی سویبط ابن حرملہ اور ابو الروم بن عمیر نے جھپٹ کر جھنڈے کو اُٹھا لیا اور اپنے ساتھ اُس کو مدینہ لائے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی یہ حالت ملاحظہ فرمائی، تو ان کے پاس آکر کھڑے ہوئے اور یہ آیت پڑھی،

من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ الخ — مسلمانوں میں بعض ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اس چیز کو سچ کر دکھایا جس پر خدا سے معاہدہ کیا تھا،

۱۔ طبقات ابن سعد۔

پھر فرمایا کہ "رسول اللہ شہادت دیتے ہیں کہ تم خداوند تعالےٰ کے نزدیک قیامت کے دن شہید ہوگے، اس کے بعد مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ "لوگو! ان کی زیارت کرو، ان کے پاس آؤ، اور ان کو سلام کرو کیونکہ اُس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت کے دن تک جو شخص ان کو سلام کریگا وہ اُس کا جواب دینگے"

اس کے بعد تجہیز و تکفین کا وقت آیا تو حضرت مصعب ابن عمیرؓ کی غربت پہلے سے اور بھی زیادہ بے نقاب ہو گئی، اور جو لوگ خود فقر و فاقہ میں مبتلا تھے اُن کو نظر آیا کہ حضرت مصعب ابن عمیرؓ کی غربت اسلام لانے کے بعد بھی اُن سے مختلف تھی اور اب بھی اُن سے الگ ہے، چنانچہ حضرت جناب بن الارتؓ فرماتے ہیں کہ "ہم نے خالصتہً لوجہ اللہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ خدا کی راہ میں ہجرت کی اس لئے ہمارا اجر خداوند تعالےٰ پر واجب ہو گیا، لیکن ہم میں سے بعض لوگ دُنیا سے اُٹھ گئے، اور اپنے اجر سے دُنیا میں کچھ فائدہ نہیں اُٹھایا، حضرت مصعب ابن عمیرؓ انہی لوگوں میں سے ہیں، وہ احد کے دن شہید ہوئے تو ایک چادر کے سوا اُن کے کفن کے لئے اور کوئی چیز دستیاب نہیں ہوئی، جب ہم اُس سے اُن کے سر کو ڈھانکتے تھے تو دونوں پانوں کھل جاتے تھے، پانوں کو چھپاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، مجبوراً رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اُس سے سر کے ارد گرد کے اعضاء کو چھپا دو، اور پانوں پر اذخر ڈال دو"، لیکن ہم میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کے پھل پختہ ہو گئے اور وہ اُن کو توڑ رہے ہیں"

حضرت مصعب ابن عمیرؓ کی شہادت کا واقعہ ہر حیثیت سے ایک حسرت ناک واقعہ تھا، چنانچہ حسب ارشاد نبوی جب اُن کو اس طریقہ سے کفنایا گیا تو رسول اللہ صلعم اُنکے پاس آکر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ "میں نے تم کو مکہ میں دیکھا تھا اور اُسوقت وہاں تم سے زیادہ باریک جوڑا کوئی نہیں پہنتا تھا، اور تم سے زیادہ بہتر کسی کے بال نہ تھے، اور اب تم پراگندہ موصرف ایک چادر میں لپٹے ہوئے ہو"، اس کے بعد اُن کے دفن کرنے کا حکم دیا اور اُن کے بھائی ابو الروم ابن عمیرؓ، عامر بن ربیعہؓ اور سو بیط بن سعد بن حرملہ نے

اُن کو قبر میں اُتارا، اسوقت اُن کی عُمر چالیس سال یا چالیس سال سے زائد کی تھی۔

اخلاق وعادات حضرت مصعب ابن عمیرؓ کے اخلاق وعادات میں صرف دو چیزیں زیادہ نمایاں ہیں، حسنِ خلق اور حُبّ رسول، چنانچہ حضرت ربیعہؓ فرماتے ہیں کہ "اسلام لانے کے دن سے احد میں شہادت پانے کے دن تک حضرت مصعب ابن عمیرؓ میرے دوست اور رفیق رہے، حبشہ کے دونوں ہجرتوں میں ہمارے ساتھ گئے اور تمام لوگوں میں خصوصیت کے ساتھ میرے رفیق سفر رہے، لیکن مَیں نے اُن سے زیادہ خوش خلق اور اُن سے کم اختلاف کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا"

رسول اللہ صلعم کے ساتھ اُن کو جس قدر محبّت تھی خود رسول اللہ صلعم کو اسکا اعتراف تھا، چنانچہ اسلام لانے کے بعد جب اُن کو آپ نے پھٹے پُرانے کپڑوں میں دیکھا تو فرمایا کہ "انہوں نے اپنی دولت و امارت پر صرف خدا اور رسولؐ کی محبّت میں لات مارا ہے" وہ مدینہ کی پہلی ہجرت کے بعد جب مکّہ واپس آئے تو سب سے پہلے رسول اللہ صلعم کے دولت خانہ پر گئے، اپنے مکان کا رُخ نہیں کیا، چنانچہ اُن کی والدہ کو اس کی خبر ہوئی تو اُنہوں نے کہلا بھیجا کہ "او نافرمان! تو ایسے شہر میں آتا ہے جس میں مَیں مقیم ہوں، اور پہلے میرے پاس نہیں آتا" اُنہوں نے جواب دیا کہ "مَیں رسول اللہ صلعم سے پہلے کسی کے پاس نہیں جا سکتا"، اس کے بعد اپنی ماں کی خدمت میں گئے، تو اُس نے کہا کہ "اب بھی تم اُسی گمراہی میں مبتلا ہو"، "مَیں اب بھی رسول اللہ صلعم کے دین یعنی اسلام پر قائم ہوں جس کو خدا نے اپنے لئے اور اپنے رسولؐ کے لئے پسند فرمایا ہے" بولیں کہ "میں نے ایکبار حبشہ میں اور دوسرے بار مدینہ میں تجھ پر رحم کیا لیکن تو نے اس کی شکر گذاری نہیں کی" اُنہوں نے کہا کہ "تم لوگ مجھ کو کتنے ہی آزمائش میں ڈالو لیکن مَیں اپنے دین پر قائم رہونگا" اب اُن کی ماں نے اُن کو قید کرنا چاہا، لیکن اُنہوں نے کہا کہ "اگر تم نے مجھ کو قید کیا تو

سلہ طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت مصعب ابن عمیرؓ۔

جو شخص مجھ کو گرفتار کرنے آئیگا میں اُس کو قتل کر دوں گا" بالآخر اُس نے اُن کو چھوڑ دیا اور رونے لگی، اب اُنہوں نے اُس کو دعوت اسلام دی لیکن اُس نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا اور کہا کہ "میں تم کو اسی حالت میں چھوڑ دیتی ہوں اور خود اپنے دین پر قائم رہتی ہوں"،

حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ	تم میں کوئی شخص اُسوقت تک ایمان نہیں لاتا
اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ	جب تک میں اُس کے باپ اور بچوں سے زیادہ
	اُس کو محبوب نہ ہو جاؤں۔

اور اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مصعب ابن عمیرؓ نے عملاً اپنے ایمان کو اس درجہ تکمیل تک پہنچا دیا تھا۔

اہل بیت

حضرت علی ابن ابی طالبؓ

اسلام اور ہجرت

حضرت خدیجہؓ کے بعد سب سے پہلے نہایت کمسنی میں اسلام لائے، اور سب کے آخیر میں ہجرت کی، جس کی وجہ یہ تھی کہ صحابہ کرام کی ہجرت کے بعد رسول اللہ صلعم مکّہ میں حکم خداوندی کے انتظار میں مقیم رہے، چنانچہ جب کُفّار نے آپؐ کے قتل کی سازشں کی تو حضرت جبرئیل علیہ السّلام آئے اور آپؐ کو حکم دیا کہ آپ جہاں سویا کرتے تھے وہاں نہ سوئیں" آپؐ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو وہاں اپنی جگہ سلا دیا، جن جن لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس تھیں اُن کو دیدیں کہ واپس کر دیں اور آپؐ کے اہل وعیال کو لے کر بعد کو مدینہ آئیں، قریش آپؐ کی خوابگاہ کو دیکھتے رہتے تھے، صبح تک تو اُس دھوکے میں رہے کہ اس بستر پر خود رسولؐ اللہ ہی مصروف خواب ہیں، صبح ہوئی تو معلوم ہُوا کہ وہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ تھے، اس بنا پر اُن کو خیال ہُوا کہ اگر رسول اللہ صلعم نے ہجرت کی ہوتی تو حضرت علیؓ ضرور ساتھ جاتے، اس لئے وہ آپ کے تعاقب سے رُک گئے، بہرحال رسول اللہ صلعم اور آپ کے اہل وعیال کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہٗ ہجرت کو روانہ ہوئے، اور راستے میں سخت تکلیفیں اُٹھائیں، چنانچہ جب مدینہ پہنچے اور رسول اللہ صلعم کو اُن کے آنے کی خبر ہوئی تو اُن کو طلب فرمایا لیکن لوگوں نے کہا کہ "وہ چلنے کی قُدرت نہیں رکھتے، اب خود آپ اُن کے پاس آئے، اور اُن کے خون آلودہ اور سوجے ہوئے پاؤں کو دیکھ کر گلے سے لگا لیا اور رو پڑے"

مواخات مواخات کا طریقہ جیسا کہ اوپر گذر چکا یہ تھا کہ پہلے دو مہاجر بھائی بھائی بنائے جاتے تھے، اس کے بعد مہاجرین اور انصار میں مواخات کرائی جاتی تھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مواخات بھی انہی دونوں طریقوں کے مطابق ہوئی، لیکن دونوں صورتوں میں اُن کا بھائی صرف ایک تھا یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، اور یہ مواخات صرف دُنیا ہی تک محدود نہ تھی بلکہ آپ نے فرما دیا تھا کہ تم دُنیا اور آخرت دونوں میں میرے بھائی ہو۔

غزوات ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہُوا تو غزوہ تبوک کے سوا جس میں رسول اللہ صلعم نے اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے لئے اُن کو مدینہ میں چھوڑ دیا تھا وہ تمام غزوات میں نمایاں حیثیت سے شریک رہے، اور سب میں دادِ شجاعت دی، ثعلبہ ابن مالک سے روایت ہے کہ "حضرت سعد بن عبادہؓ تمام غزوات میں رسول اللہ صلعم کی علمبرداری کرتے تھے، لیکن جب جنگ کا اصلی وقت آتا تھا تو جھنڈا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ میں آجاتا تھا"

اسلام میں سب سے پہلے بدر کا معرکہ پیش آیا اور اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہایت سرگرمی کے ساتھ مصروف اعلائے کلمۃ الحق رہے، چنانچہ کسی نے حضرت براءؓ سے پوچھا کہ "علیؓ بھی شریک بدر ہوئے تھے" اُنہوں نے کہا "مبارزہ طلبی کی تھی اور خوب لڑے تھے" غزوہ احد کی نسبت خود ان کا بیان ہے کہ "جب تمام لوگ رسول اللہؐ کو چھوڑ کر الگ ہوگئے تو میں نے مقتولین کی لاش کے درمیان آپ کو تلاش کیا، لیکن آپ نظر نہ آئے تو میں نے کہا کہ آپ بھاگ تو سکتے نہیں، اور مقتولین میں بھی نظر نہیں آتے، اس لئے ہمارے اس جرم کی پاداش میں خداوند تعالےٰ نے اپنے پیغمبر کو اُٹھالیا اس لئے میرے لئے اس سے زیادہ بہتر کوئی بات نہیں کہ لڑکر مر جاؤں چنانچہ میں نے اپنی تلوار کا میان توڑ ڈالا اور کفار پر حملہ کیا، اس طرح بھیڑ چھٹی تو دفعتہً اُن کے درمیان

رسول اللہ صلعم نظر آئے" غزوات میں سب سے زیادہ نمایاں امتیاز اُن کو غزوہ خیبر میں حاصل ہُوا، چنانچہ حضرت سعدؓ کا بیان ہے کہ "رسول اللہ صلعم نے خیبر میں فرمایا کہ میں جھنڈا ایک ایسے شخص کو دونگا جو خدا اور خدا کے رسولؐ کو محبوب رکھتا ہے، اور خدا اور خدا کے رسُول بھی اُس کو محبُوب رکھتے ہیں، ان الفاظ کو سُن کر تمام صحابہ اس شرف کے متوقع ہو گئے، لیکن آپ نے ان سب میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو طلب فرمایا اُن کی آنکھوں میں آشوب تھا لیکن آپ نے اُن میں اپنا لعاب دہن لگا دیا اور اُن کو جھنڈا عطا کیا، اور خدا نے اُن کو فتح عطا فرمائی"

وہ مشہور غزوات میں صرف غزوہ تبوک میں شریک نہ ہو سکے اور رسول اللہ صلعم نے اپنے اہل وعیال کی حفاظت کے لئے اُن کو مدینہ ہی میں چھوڑ دیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اس کی شکایت کی تو ارشاد ہُوا کہ "تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تُم میرے لئے ویسے ہی ہو جیسے موسیٰؑ کے لئے ہارون تھے؟"[1]

اشاعت اسلام غزوات کے بعد اشاعت اسلام کی راہیں کھلیں اور رسول اللہ صلعم نے باثر صحابہ کو اس خدمت کے انجام دینے کے لئے عرب کے مختلف حصّوں میں روانہ کیا، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے حصّے میں یمن کے قبائل آئے، اُن سے پہلے آپ نے اس خدمت کے لئے حضرت خالد بن ولیدؓ کو روانہ فرمایا تھا، لیکن اُن کو وہاں کامیابی نہیں ہوئی تو آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ "حضرت خالدؓ اور اُن کے رفقاء کو واپس بھیجدیں، البتہ جو لوگ واپس آنا نہ چاہیں وہ وہیں قیام کر سکتے ہیں" حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ یمن میں پہنچے تو تمام لوگ جمع ہو گئے، اُنہوں نے فجر کی نماز پڑھائی اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد تمام لوگ صف بستہ کھڑے ہو گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سب کے سامنے آئے اور حمد وثنا کے بعد رسول اللہ صلعم کا

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ۱۲

خط پڑھ کر سنایا، نتیجہ یہ ہوا کہ پورا قبیلہ ہمدان ایک ہی دن میں مسلمان ہو گیا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہ صلعم کو بذریعہ خط کے اس کی اطلاع دی تو خط پڑھ کر آپ سجدے میں گر پڑے اور فرمایا کہ "ہمدان پر سلام ہو" اس کے بعد اہل یمن برابر اسلام قبول کرتے رہے۔

قضاءت آپ نے عین عالم شباب میں اُن کو یمن کا قاضی بھی بنا کر بھیجنا چاہا لیکن اُنہوں نے کہا کہ "میں قضاءت سے ناواقف ہوں" آپ نے اُن کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ "خداوندا! اُن کے قلب کو ہدایت دے، اور اُن کی زبان کو ٹھیک کر" حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ "اس کے بعد دو شخصوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں مجھ کو کبھی شک نہیں ہوا"[۱]

علم وفضل تمام صحابہ اُن کے علم وفضل کے معترف ہیں، حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ "علی اقضانا" یعنی ہم میں سب سے زیادہ قضاءت کے عالم حضرت علیؓ تھے،

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "ہم میں یہ چرچا تھا کہ تمام اہل مدینہ میں علم قضاء کے سب سے بڑے عالم حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں" حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ "علم کے دس حصّوں میں سے نو حصّے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ملے اور بقیہ دسویں حصّے میں بھی وہ تمام لوگوں کے شریک تھے" حضرت سعید بن عمرو بن سعید بن العاص نے ایک بار عبداللہ بن عیاش بن ابی ربیعہ سے دریافت کیا کہ "حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف لوگوں کا میلان کیوں تھا؟ بولے "اس لئے کہ اُن کے پاس ہر قسم کا پختہ علم تھا، اور وہ قبیلہ، قدامت اسلام رسول اللہ صلعم کی دامادی، فقہ، حدیث، بہادری اور فیاضی میں ممتاز تھے"

اس علم وفضل کی بنا پر تمام صحابہ میں صرف وہی ایک بزرگ تھے جو لوگوں کو استفسار مسائل کی عام دعوت دیتے تھے، اور اشاعت علم میں ہمیشہ مصروف رہتے تھے، چنانچہ

---

[۱] استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حافظ ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں،

ولم یزل بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم متصدیا للنصر العلم والفتیا

اور وہ رسول اللہ صلعم کے بعد ہمیشہ علم اور فتوے کی حمایت میں مصروف رہے

اُنہوں نے خود رسول اللہ صلعم سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں، اور صحابہؓ و تابعین میں ایک جم غفیر نے اُن سے حدیث کی روایت کی ہے، علم قضاء علم حدیث و فرائض کے ساتھ علوم قرآنیہ کے بھی بہت بڑے عالم تھے، چنانچہ ایک بار اُنہوں نے خود فرمایا کہ "کتاب اللہ کے متعلق مجھ سے پوچھو، خدا کی قسم کوئی ایسی آیت نہیں جس کے متعلق مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ رات کو نازل ہوئی ہے، یا دن کو؟[۱]

خلافت جو صحابہ ابتداء ہی سے خلافت کے اہل خیال کئے جاتے تھے، اُن میں حضرت علی کرم اللہ وجہٗ بھی تھے، چنانچہ ایک بار رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا گیا کہ آپ کے بعد امیر کون ہوگا؟ تو ارشاد ہوا کہ "تم لوگ اگر ابوبکرؓ کو امیر بناؤ تو اُن کو امین اور دنیا و آخرت میں زاہد پاؤ گے، اگر عمرؓ کو خلیفہ بناؤ تو اُن کو قوی، امین اور خدا کے معاملے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے ڈرنے والا نہ پاؤ گے، اور اگر علیؓ کو امیر بناؤ حالانکہ تم لوگ اُن کو امیر نہ بناؤ گے تو اُن کو ایک ہدایت یافتہ رہنما پاؤ گے جو تم کو صراط المستقیم پر لے چلیگا" لیکن اسی کے ساتھ آپ نے اُن کو یہ بھی ہدایت فرمائی تھی کہ "تم بمنزلہ کعبہ کے ہو، جس کے پاس لوگ خود آتے ہیں اور وہ کسی کے پاس نہیں جاتا، اس لئے اگر لوگ تمہارے پاس آئیں اور خلافت کو تمہارے حوالے کر دیں تو قبول کر لو، اور اگر نہ آئیں تو تم اُن کے پاس نہ جاؤ، یہانتک کہ وہ خود تمہارے پاس آئیں،، اس بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اگرچہ اپنے آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے، لیکن با ایں ہمہ اُنہوں نے اس کے لئے کبھی مسلمانوں کی عام رائے سے اختلاف کرنا پسند نہیں کیا، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ

[۱] اصابہ تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ

رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد میں اپنے آپ کو خلافت کا سب سے زیادہ مستحق سمجھتا تھا لیکن مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ پر اتفاق کر لیا تو میں نے بھی اس کو سمعاً و طاعۃً قبول کر لیا، انہوں نے وفات پائی تو میں نے خیال کیا کہ اب خلافت میرے سوا کسی اور کو نہ ملے گی لیکن انہوں نے حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنا دیا تو میں نے ان کی بھی اطاعت کی، حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد بھی مجھے یہی خیال پیدا ہوا لیکن انہوں نے خلافت کو چھ آدمیوں میں کر دیا جس میں ایک میں بھی تھا، ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو خلیفہ بنایا تو میں نے اس کو بھی تسلیم کر لیا، وہ شہید ہوئے تو لوگوں نے بطوع و رضا میری بیعت کی، پھر فسخ بیعت کیا تو مجھے تلوار یا کفر کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آیا۔"

بیعت کے معاملے میں بھی انہوں نے اپنی شان استغناء کو قائم رکھا، چنانچہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جب ذیحجہ ۳۵ھ میں تمام صحابہ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہی، تو انہوں نے فرمایا کہ "تم کو اس کا اختیار نہیں ہے، اس کا اختیار صرف اہل بدر کو ہے، وہ جس کو انتخاب کریں گے وہی خلیفہ ہوگا" چنانچہ یہ سب لوگ آئے اور کہا کہ "ہم آپ سے زیادہ کسی کو اس کا مستحق نہیں پاتے ہاتھ بڑھائیے، ہم بیعت کریں" حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ کہاں ہیں؟ لیکن ان میں حضرت طلحہؓ نے زبان سے اور حضرت سعدؓ نے ہاتھ سے بیعت کی، اس کے بعد وہ مسجد میں آئے اور منبر پر چڑھ گئے، تو پہلے حضرت طلحہؓ نے پھر حضرت زبیرؓ اور تمام صحابہ نے بیعت کی، صرف صحابہ کی ایک جماعت نے جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت اسامہؓ وغیرہ شامل تھے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور اہل شام بھی حضرت معاویہؓ کے ساتھ شریک بیعت نہیں ہوئے اور ان کے ساتھ جنگ کی جس کی پیشینگوئی خود رسول اللہ صلعم نے پہلے ہی سے کر دی تھی۔[۱]

---

[۱] اسد الغابہ تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

شہادت خلافت کی طرح رسول اللہ صلعم نے اُن کی شہادت کی بھی پیشنگوئی کردی تھی، اور وہ اس کے مشتاق بھی تھے، چنانچہ جب غزوہ احد میں اُن کو یہ شرف حاصل نہیں ہُوا تو رسول اللہ صلعم نے اُن سے فرمایا کہ تمہاری شہادت اس کے بعد ہوگی تو جب تمہاری داڑھی تمہارے سر کے خون سے رنگین ہوگی تو تم کیونکر صبر کرو گے؟ انہوں نے کہا کہ "یہ تو صبر کا مقام نہیں، فخر و بشارت کا مقام ہے" خلافت کے بعد جنگ کا جو سلسلہ قائم ہُوا اُس میں جو حالات پیش آئے وہ بھی اس کی تصدیق کرتے تھے، چنانچہ جب اُنہوں نے سفر عراق کے ارادہ سے رکاب میں پاؤں رکھا تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ نے اُن کو اس خطرہ سے آگاہ بھی کیا، لیکن اُنہوں نے کہا کہ "رسول اللہ صلعم نے مجھ کو پہلے ہی سے اس کی بشارت دیدی ہے" اس کے علاوہ اور بھی متعدد روائتیں ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف اپنی شہادت سے اجمالی طور پر واقف تھے، بلکہ سال، مہینہ اور دن کی بھی اُن کو خبر تھی؛ چنانچہ رمضان کے جس مہینے میں وہ شہید ہوئے ہیں اُس میں رات کا کھانا ایک دن امام حسنؓ کے یہاں، ایک دن امام حسینؓ کے یہاں اور ایک دن عبداللہ بن جعفر کے یہاں کھاتے تھے اور کہتے تھے کہ "فرمان ایزدی صرف ایک یا دو رات میں آئیگا، اور میں بھوکا رہوں گا" بالآخر یہ پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ رمضان کو خوارج کے گروہ میں سے عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی، برک بن عبداللہ التیمی، اور عمر بن بکر التیمی نے مکہ میں حضرت علی ابن ابی طالبؓ، حضرت امیر معاویہؓ، اور حضرت عمرو بن العاصؓ کے قتل کا باہم معاہدہ کیا، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ عبدالرحمٰن ابن ملجم کے حصے میں آئے، اور اُس نے کوفہ میں آکر شبیب بن بجرۃ الاشجعی کی شرکت میں یہ کام انجام دیا، چنانچہ صبح کے وقت دونوں تلوار لے کر اُس دروازے کے سامنے آکر بیٹھے جس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ داخلِ مسجد ہوتے تھے، اُن کا معمول تھا کہ صبح کی نماز کو نکلتے تھے تو ہاتھ میں درہ ہوتا تھا اور لوگوں کو بیدار کرتے

آتے تھے، اسی دستور کے موافق گھر سے برآمد ہوئے تو فرمایا کہ "لوگو! نماز نماز" ان دونوں نے اسی موقع پر اپنی اپنی تلواروں سے وار کیا، شبیب ابن بجرہ کا وار تو خالی گیا لیکن ابن ملجم کی تلوار پیشانی پر لگی اور دماغ میں اُتر آئی، حضرت علیؓ نے آواز دی کہ "یہ شخص جانے نہ پائے" لوگ اس آواز کو سُن کر ہر طرف سے دوڑ پڑے، اور ابن ملجم کو گرفتار کر کے اُن کے سامنے لائے تو فرمایا کہ "اِس کو عمدہ کھانا کھلاؤ، نرم بچھونے پر سلاؤ، اگر مَیں زندہ بچ گیا تو مَیں اُس کے خون کا مالک ہوں گا، معاف کردوں گا یا قصاص لونگا، اور اگر مر گیا تو اُس کو بھی مار ڈالنا، مَیں خدا کے سامنے اُس سے اپنا معاملہ چکا لوں گا" اس کے بعد جمعہ اور سنیچر تک تو زندہ رہے، لیکن ۱۹۔ رمضان ۴۰ھ کی شب کو وفات پائی، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم نے غُسل دیا، کفن پہنایا اور امام حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور صُبح کے وقت سپرد خاک کیا۔

اخلاق وعادات شجاعت اور فیاضی کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہُہ کے محاسن اخلاق میں زہد و قناعت اور فقر و فاقہ سب سے زیادہ نمایاں اوصاف ہیں، جناب رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا تھا کہ "خداوند تعالٰے نے تم کو ایک ایسی زینت کے ساتھ مزیّن کیا ہے، کہ کسی بندہ کو اُس سے زیادہ محبوب زینت کے ساتھ مزیّن نہیں کیا یعنی زہد فی الدنیا اس لئے تم کو دُنیا سے اور دُنیا کو تم سے کوئی حصّہ نہ ملے گا" اور اُن کے کلاہ فقر کا یہ طرّۂ امتیاز ہمیشہ نمایاں رہا، چنانچہ اُنھوں نے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ نکاح کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا کہ "تمہارے پاس مہر ادا کرنے کا کیا سامان ہے؟ بولے کچھ نہیں، ارشاد ہُوا اور وہ حطبہ زرہ کیا ہوئی؟ (جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے، آپؐ نے فرمایا بس وہ کافی ہے، اس زرہ کی قیمت ۴۸۰ تھی اور اس کے سوا جو کچھ اُن کا سرمایہ تھا وہ بھیڑ کی ایک کھال اور ایک بوسیدہ یمنی

چادر تھی، جس کو اُنھوں نے حضرت فاطمہ زہراؓ کی نذر کیا،

اس فقر و فاقہ کی حالت میں دعوت ولیمہ کا سامان اور بھی مشکل تھا، صرف اپنی قوت بازو کا سہارا تھا اور اُس کے بل پر یہ صورت نکالی کہ ایک گھاس جس کو اذخر کہتے ہیں اور جو سناروں کے کام آتی ہے، اونٹنیوں پر لاد کر لائیں، اور اُس کو سناروں کے ہاتھ فروخت کرکے دعوت ولیمہ کا سامان کریں، اونٹنیاں بھی ذاتی ملک کی نہ تھیں بلکہ رسول اللہ صلعم نے غزوہ بدر کے خمس میں سے عطا فرمائی تھیں، لیکن ابھی اُن کے لئے پالان وغیرہ کا سامان بھی کرنے نہ پائے تھے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شراب کے نشے میں چُور ہو کر اُن کا پیٹ چاک کر دیا، اُن کی کوہانیں کاٹ ڈالیں، اور اُن کی کلیجی نکال لی، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے یہ دردانگیز منظر دیکھا تو آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور رسول اللہ صلعم کی خدمت میں اس ظُلم کی فریاد لے کر گئے، آپؐ حضرت حمزہؓ کے پاس گئے تو اُنھوں نے نشے کی حالت میں آپ کی شان میں گستاخانہ فقرے استعمال کئے، مجبوراً آپ کو واپس آنا پڑا[۱]،

خانگی زندگی بھی نہایت فقر و فاقہ کے ساتھ بسر کرتے رہے، ایکبار گھر میں آئے تو دیکھا کہ حضرت حسین اور حضرت حسن علیہما السلام رو رہے ہیں، حضرت فاطمہؓ سے رونے کی وجہ پوچھی تو بولیں کہ بھوک سے بیتاب ہیں" گھر سے نکلے تو بازار میں ایک پڑا ہُوا دینار پایا اُس کا آٹا اور گوشت خریدا لیکن محبت رسولؐ کا یہ حال تھا کہ اس حالت میں بھی رسول اللہ صلعم کو مدعو کئے ہوئے بغیر کھانا نہ کھایا[۲]،

خلیفہ ہونے کے بعد بھی اُن کی یہ شان فقر قائم رہی، چنانچہ اُنھوں نے ایکبار سر منبر فرمایا کہ" میری یہ تلوار کون خریدتا ہے؟ اگر میرے پاس تہ بند کی قیمت ہوتی تو میں اس کو فروخت نہ کرتا" ایک شخص نے اُٹھ کر کہا کہ ہم آپ کو تہ بند کی قیمت قرض

---

[۱] صحیح بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ بدر [۲] ابوداؤد کتاب اللقطہ ۱۲

دیتے ہیں "عبدالرزاق جو اس واقعہ کے راوی ہیں وہ اس کی روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "اسوقت شام کے سوا کُل دُنیا اُن کے ہاتھ میں تھی"[1]

ایکبار اُنہوں نے خود فرمایا کہ "مَیں بھُوک سے اپنے پیٹ کو باندھے ہوئے رکھتا ہوں حالانکہ میرے صدقہ کی تعداد آج چار ہزار دینار تک پہنچتی ہے" اور بعض روایتوں میں اس کی تعداد چالیس ہزار دینار آئی ہے، لیکن اس صدقہ سے اُن کے مال کی زکوٰۃ مراد نہیں، بلکہ اُنہوں نے جو اوقاف کئے تھے، اُن کی آمدنی اس قدر تھی[2]

تمام عُمر کوئی عمارت نہیں تعمیر کی اور وفات کے وقت صرف چھ سو درہم چھوڑے جس سے ایک غلام خریدا تھا کپڑا ہمیشہ نہایت موٹا جھوٹا پہنتے تھے، جو عموماً چھوٹا ہوتا تھا اور بازار سے خود سودا سلف خرید کر لاتے تھے، جس طرح خود تہیدست رہتے تھے، اُسی طرح بیت المال کو بھی ہمیشہ خالی رکھتے تھے، اور جو مال و دولت وصول ہو کر آتا تھا اُس کو فوراً تقسیم کر دیتے تھے۔

---

[1] استیعاب تذکرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ حضرت علیؓ۔

اصحاب صفہ رض

مخالفین اسلام کو اعتراض ہے کہ مدینہ میں پہنچ کر اسلام نے شاہانہ قالب اختیار کر لیا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں آکر اسلام کی فقیرانہ زندگی کے خال وخط اور بھی نمایاں ہو گئے، اور فقرائے اسلام کی ایک مستقل جماعت جو اصحاب صفہ کے نام سے موسوم ہے مدینہ میں قائم ہوئی، اور ایک مدت تک قائم رہی،

اس مقدس جماعت کے قیام سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اسلام کی مذہبی اور علمی خدمات کا ایک مستقل نظام قائم ہو گیا اور جو لوگ اس جماعت میں شامل ہوئے انہوں نے انہی خدمات کو اپنی زندگی کا اصل مقصد قرار دے لیا، اور فقیرانہ زندگی نے اس مقصد میں اُن کے لئے اور آسانیاں پیدا کر دیں، کیونکہ ان کی بے سروسامانی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ تمام دنیوی تعلقات اور دنیوی کاروبار سے ان کو کوئی سروکار نہ تھا، خاندان قبیلہ، گھر بار، اہل وعیال، زراعت، تجارت، صنعت وحرفت غرض کسی چیز سے ان کو علاقہ نہ تھا، دن رات، عبادت، تلاوت اور قرآت میں مصروف رہتے تھے، اور رات کو مسجد کے سائبان میں پڑ رہتے تھے، معاش کا دار مدار زیادہ تر صحابہ اور خود رسول اللہ صلعم کی اعانت وفیاضی پر تھا، اگرچہ یہ لوگ کسب وعمل سے بھی غافل نہ تھے، چنانچہ ان میں کچھ لوگ دن کو شیریں پانی بھر لاتے، جنگل سے لکڑیاں چُن لاتے، اور ان کو بیچ کر جو آمدنی ہوتی اُس کو وجہ معاش میں صرف کرتے[1] تاہم عام طور پر ان لوگوں کو صدقات پر زندگی بسر کرنا پڑتی تھی، چنانچہ ابن کعب القرظی نے لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الخ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ فقراء سے اصحاب صفہ

[1] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب ثبوت الجنۃ للشہید ۱۲

مراد ہیں، کیونکہ مدینہ میں ان لوگوں کے نہ مکانات تھے، نہ قبیلے اس لئے خداوند تعالےٰ نے لوگوں کو ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی[۱] صدقات کے علاوہ زیادہ تر اُن کی معاش کا دارو مدار صحابہ کرام کی فیاضی پر تھا جس کی مختلف صورتیں تھیں اکثر صحابہ کھجور کے خوشے لاتے اور مسجد کی چھت میں لٹکا دیتے، یہ لوگ آتے تو اُن کو عصا سے ہلا دیتے اور اس طرح جو کھجوریں ٹپک پڑتیں اُن کو کھا لیتے[۲] اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو رسول اللہ صلعم ان کو مہاجرین اور انصار پر تقسیم فرما دیتے اس طرح اپنے اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جاتا تھا اور کھانا کھلاتا تھا، ان میں حضرت سعد بن عبادہؓ نے ان لوگوں کے لئے اپنا دستر خوان اس قدر وسیع کر دیا تھا کہ اسی اسی آدمیوں کو لیجا کر کھانا کھلاتے تھے[۳] خود رسول اللہ صلعم بھی باوجود فقر و فاقہ کے اس میں نہایت فیاضانہ طریقہ سے حصہ لیتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ "ایک رات آپ گھر سے نکلے تو فرمایا کہ میرے اصحاب یعنی اہل صفہ کو بلاؤ میں نے ایک ایک کو جگا کر جمع کیا، اور سب مل کر آپ کے دروازے پر آئے، اور اذن حاصل کیا، اس کے بعد ہمارے سامنے ایک پیالہ رکھا گیا جس میں کوئی جو کی پکی ہوئی چیز تھی، آپ نے پیالے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ بسم اللہ شروع کرو" ہم سب نے جس قدر جی چاہا کھایا، اور کھانے کے بعد بھی کھانا جوں کا توں بچ گیا، اور اس کے سوا اُس میں کچھ فرق نہ آیا کہ اُس میں اُنگلیوں کے نشان تھے" لیکن باانہمہ اعانت و امداد ان لوگوں کی زندگی نہایت فقر و فاقہ کے ساتھ بسر ہوتی تھی حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مجھ پر حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کے حجروں کے درمیان بھوک کی شدت سے غشی طاری ہو جاتی تھی[۴]

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۳ [۲] ترمذی ابواب تفسیر القرآن [۳] اصابہ تذکرہ حضرت سعد بن عبادہؓ [۴] طبقات ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۳ و ۱۴

کھانے کے ساتھ کپڑوں کی بھی سخت تکلیف تھی، ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہ بند دونوں چیزیں کبھی ساتھ مہیا نہ ہو سکیں، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے اہل صفہ میں سے ۷۰ آدمیوں کو رسول اللہ صلعم کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا لیکن ان میں کسی کے اوپر چادر نہ تھی" اسی واقعہ کو حضرت واثلہ بن الاسقعؓ یوں بیان کرتے ہیں کہ "میں نے اصحاب صفہ میں سے ۷۰ آدمیوں کو دیکھا جو صرف تہ بند پہن کر آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، اور میں بھی انہیں میں سے ہوں[1]"

ان کی تعداد اگرچہ گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، تاہم یہ صرف دس بیس آدمیوں کی جماعت نہ تھی بلکہ ان کی کل مجموعی تعداد ۴۰۰ تک پہنچی تھی جن کے حالات میں متعدد علماء مثلاً ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری المتوفی ۳۴۰ھ علامہ جلال الدین سیوطی اور سلمی نے رسالے اور کتابیں تصنیف کی ہیں، لیکن ان میں ہم صرف دو تین بزرگوں کے حالات لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

---

[1] طبقات ابن سعد جلد اوّل صفحہ ۱۳ و ۱۴۔

حضرت ابوہریرہؓ

غزوہ خیبر کے زمانے میں ہجرت کر کے مدینہ آئے، اور مشرف بہ اسلام ہو کر رسول اللہ صلعم کے ساتھ اس غزوہ میں شرکت کی، اگرچہ غزوہ خیبر کے بعد اسلام کی فارغ البالی کا زمانہ شروع ہو گیا تھا، لیکن اُنھوں نے اس سے فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ اصحاب صفہ میں داخل ہو کر لذت آشنائے فقر و فاقہ ہو گئے، چنانچہ خود کہتے ہیں کہ "میں رسول اللہ صلعم کے منبر اور حضرت عائشہؓ کے حجرے کے درمیان بیہوش ہو کر گرتا تھا تو لوگ کہتے تھے کہ یہ پاگل ہے، حالانکہ مجھے جنون نہ تھا، بلکہ صرف بھوک کا نتیجہ تھا" ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں کہ "میں بھوک سے بیتاب ہو کر زمین پر اپنے سینے کو دباتا تھا اور اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا" رسول اللہ صلعم کے زمانۂ وصال تک اُنھوں نے اسی فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی بسر کی اور اس حالت میں تمام دنیوی جاہ و مال کے بدلے اُن کو صرف ایک دولت حاصل ہوئی یعنی رسول اللہ صلعم کا فیض صحبت، جس پر اُنکو خود ناز تھا چنانچہ جب اُن پر لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ وہ نہایت کثرت سے روایت کرتے ہیں حالانکہ وہ رسول اللہ صلعم کی وفات سے تھوڑے ہی دنوں پیشتر آئے ہیں تو اُنھوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ "میں آیا تو رسول اللہ صلعم خیبر میں تھے اور میرا سن اُسوقت ۳۰ برس سے زائد کا تھا، تو میں نے آپ کے زمانہ وصال تک آپ کے ساتھ قیام کیا، اور آپ کے ساتھ ازواج مطہرات کے حجروں میں جاتا تھا آپ کی خدمت کرتا تھا، آپ کے ساتھ جہاد کرتا تھا، آپ کے ساتھ حج کرتا تھا اس لئے مجھے حدیث کا سب سے زیادہ علم ہے، ایک جماعت نے مجھ سے پہلے آپکا فیض صحبت اُٹھایا ہے، اور وہ جانتے ہیں کہ میں آپ کے ساتھ ہمیشہ لگا رہتا تھا،

اس لئے وہ آپ کی حدیثیں مجھ سے پوچھتے تھے، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، طلحہ اور زبیر انہی لوگوں میں سے ہیں" غرض رسول اللہ صلعم کے زمانہ تک تو اُن کو فیضِ صحبت، اور سرمایہ علم کے سوا دنیوی مال و جاہ سے کوئی حصہ نہیں ملا۔

امارت لیکن حضرت عمر بن الخطابؓ کے عہد خلافت میں اُن کو حکومت بھی حاصل ہوئی، اور مال و دولت بھی نصیب ہُوا، چنانچہ اُنہوں نے اُن کو بحرین کا عامل مقرر کیا تو وہ دس ہزار لے کر واپس آئے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ دولت کہاں سے حاصل ہوئی؟ تو فرمایا کہ "گھوڑیوں نے بچے جنے، متواتر عطئے ملے، میرے غلام نے کمایا" حضرت عمرؓ نے تحقیقات کی تو معلوم ہُوا کہ اُنہوں نے جو کچھ کہا سچ تھا، اس کے بعد اُنہوں نے پھر اُن کو عامل بنانا چاہا لیکن اُنہوں نے انکار کر دیا حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ، عامل بننے کی خواہش تو اُس شخص نے کی تھی جو تم سے بہت بہتر تھا، بولے کہ "اُن کا نام یوسف نبی اللہ ابن نبی اللہ ہے، اور میں ابوہریرہ ابن امیمہ ہوں، مجھے تین چیزوں کا خوف ہے، یہ کہ بغیر علم کے کوئی بات کہوں بغیر حجت شرعیہ کے کوئی فیصلہ کر دوں، میری پیٹھ پر ضرب نہ پڑے، میری عزت پر حملہ کیا جائے اور میرا مال چھین نہ لیا جائے،

وفات حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے تو اُن کا سن ۳۰ سال سے زائد تھا، آپ کی وفات کے بعد اُنہوں نے اپنی زندگی کا بقیہ حصہ اشاعت حدیث میں صرف کر کے ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں بمقام عقیق وفات پائی، وہاں سے لاش مدینہ میں آئی اور ولید بن عقبہ بن ابی سفیان نے نماز جنازہ پڑھائی،

اخلاق و عادات حضرت ابوہریرہؓ کی زندگی کے دو حصے ہیں، ایک میں اُنہوں نے فقر و فاقے کے ساتھ اپنے دن گذارے، اور دوسرے میں اُن کو جاہ و ثروت نصیب ہوئی، لیکن دونوں حالتوں میں اُنہوں نے اپنی خودداری اور خاکساری کو قائم رکھا، فقیرانہ زندگی میں سخت سے سخت تکلیفیں برداشت کیں لیکن زبان کبھی

سوال سے آلودہ نہیں ہوئی بلکہ اکثر صبر کیا، اور جب بھوک کی شدت سے بہت بیقرار ہوئے تو صرف حُسنِ طلب سے کام لیا، ایک بار اس قسم کی ضرورت پیش آئی تو راستے میں بیٹھ گئے، حضرت ابوبکرؓ کا گذر ہوا تو اُن سے ایک آیت پوچھی، وہ گذر گئے اور کچھ توجہ نہ کی، حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا، اس کے بعد رسول اللہ صلعم کا گذر ہوا تو آپؐ اس حُسنِ طلب کو سمجھے اور ساتھ لیجا کر اُن کو اور اُن کے ساتھ تمام اہل صفہ کو کھانا کھلایا[۱]،

زندگی کا یہ دور گذر گیا اور فارغ البالی نصیب ہوئی تو فقیرانہ خاکساری کے اظہار کا موقع آیا اور اُنھوں نے علانیہ اس کا اظہار کیا چنانچہ اُنھوں نے ایک دن کتان کے دو رنگین کپڑے پہنے تو ایک سے ناک صاف کر کے کہا کہ "واہ واہ ابوہریرہؓ آج کتان کے کپڑے سے ناک صاف کرتے ہو حالانکہ ایک دن وہ تھا کہ بھوک کے مارے رسول اللہ صلعم کے منبر اور حضرت عائشہؓ کے حُجرے کے سامنے بیہوش ہو کر گرتے تھے اور لوگ آکر گردن پر پاؤں رکھ کر کہتے تھے کہ ابوہریرہؓ کو جنون ہو گیا ہے حالانکہ یہ سب بھوک کی وجہ سے تھا[۲]

فضل وکمال صحابہ کرام میں سب سے زیادہ کثیر الروایہ ہیں، اور یہ شرف اُن کو صرف فقر و فاقہ کی بدولت نصیب ہُوا تھا، چنانچہ اصابہ میں ہے کہ

ولزمه له صحبته على شبع بطنه فكانت يده مع يده يدور معه حيثما دار الى ان مات ولذلك كثر حديثه	اور رسول اللہؐ کی صحبت میں صرف گذر اوقات پر قناعت کر کے تمام صحابہ سے زیادہ رہنے والے تھے، اُن کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور آپ جہاں جہاں جاتے تھے وہ بھی آپ کے ساتھ جاتے تھے، یہانتک کہ آپ کا وصال ہو گیا یہی وجہ ہے کہ اُن کی حدیثیں زیادہ ہیں،

[۱] ترمذی ابواب الزہد [۲] ترمذی ابواب الزہد بخاری کتاب الاعتصام بالسنتہ ۱۲

خود صحابہ کے زمانے میں اُن کی کثرت روایت پر اعتراض ہُوا تو اُنھوں نے اس کی بھی وجہ بتائی اور فرمایا کہ "تم لوگ کہتے ہو کہ ابو ہریرہؓ رسول اللہ صلعم سے بہت حدیثیں روایت کرتا ہے، لیکن مَیں ایک مسکین آدمی تھا اور گذر اوقات کے لئے رسول اللہ صلعم کی خدمتگذاری میں ہمیشہ مصروف رہتا تھا" اس کے بخلاف مہاجرین تجارت میں لگے رہتے تھے، انصار کھیتی باڑی کا کام کیا کرتے تھے، اس یکسوئی اور طویل صحبت کے ساتھ اُن میں بعض باتیں ایسی تھیں کہ اُن کو خواہ مخواہ رسول اللہ صلعم کے فیض صحبت سے زیادہ فائدہ پہنچتا تھا، مثلاً صحابہ کرام فرط ادب سے آپ سے سوالات بہت کم کرتے تھے، لیکن حضرت ابو ہریرہؓ اس سے مستغنیٰ تھے، حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ "جن چیزوں کے متعلق رسول اللہ صلعم سے کوئی شخص سوال نہیں کرسکتا تھا ابو ہریرہؓ نہایت دلیری کے ساتھ اُن کو آپ سے پوچھ لیتے تھے،" خود رسول اللہ صلعم بھی اُن کے اس شوق علم کی قدر دانی فرماتے تھے، چنانچہ ایک بار اُنھوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ کون شخص بہرہ اندوز ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ "میرا خیال تھا کہ تم سے زیادہ بہتر شخص مجھ سے اس حدیث کا سوال نہ کرے گا کیونکہ مَیں تمہیں حدیث کا حریص پاتا ہوں"۔

صحابہ میں اگرچہ بعض لوگ ان سے بھی زیادہ کثیر الروایۃ تھے لیکن اُن میں اور حضرت ابو ہریرہؓ میں یہ فرق تھا کہ وہ حدیثوں کو لکھ کر محفوظ رکھتے تھے اور حضرت ابو ہریرہؓ کو صرف اپنے حافظے پر اعتماد تھا چنانچہ وہ خود کہتے ہیں کہ "اصحاب رسول اللہ بن عبداللہ بن عمر کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کو حدیثیں معلوم نہ تھیں، کیونکہ وہ حدیثوں کو لکھتے تھے اور مَیں لکھتا نہیں تھا" لیکن یہ قوت حافظہ بھی رسول اللہ صلعم ہی کے فیض صحبت سے حاصل ہوئی تھی، وہ خود کہتے ہیں کہ "ایک بار آپ نے فرمایا کہ جو شخص اپنا کپڑا پھیلائے گا وہ جو کچھ مجھ سے سُنے گا نہ بھولے گا، میں نے اپنا کپڑا پھیلا دیا اور آپ حدیث بیان کر چکے تو میں نے اُس کپڑے کو اپنی طرف سمیٹ لیا اس کے بعد میں نے جو کچھ سُنا کبھی نہیں بھولا"

لیکن اُنھوں نے صرف اس برکت آمیز طریقہ ہی پر اکتفاء نہیں کیا تھا بلکہ رات کے وقت نہایت محنت سے حدیثیں یاد کرتے تھے چنانچہ اُن کا خود بیان ہے کہ "میں رات کے تین حصے کرتا تھا، ایک میں سوتا تھا، ایک میں نماز پڑھتا تھا اور ایک میں احادیث رسول اللہؐ کو یاد کرتا تھا"[1]

اشاعت حدیث صحابہ کرام میں اگرچہ اور بھی بہت سے بزرگوں کو بہ کثرت حدیثیں معلوم تھیں، لیکن حضرت ابوہریرہؓ سے زیادہ کسی نے حدیث کی اشاعت نہیں کی، صحابہ و تابعین میں تقریباً آٹھ سو آدمیوں نے اُن سے روایت کی ہے، اور مسند بقی بن مخلد میں اُن کی پانچہزار تین سو حدیثیں مذکور ہیں،

صحابہ کرام کے زمانے میں اُن پر بکثرت اعتراضات کئے گئے لیکن یہ اعتراضات اُن کو اشاعت حدیث سے نہ روک سکے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اُن کی روائتیں سُنتے تو کہتے کہ "یہ ہم کو بھی معلوم ہے لیکن ہم بزدلی کرتے ہیں اور تم جرأت سے کام لیتے ہو" حضرت عمرؓ کو اُن کی روایتوں کا حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ "فلاں کے گھر میں جس دن ہم تھے کیا تم بھی موجود تھے" بولے "ہاں اُس دن رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ

من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار — جو شخص میری جھوٹی حدیثیں منسوب کرے اُس کو اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لینا چاہئے،

بولے "اب جاؤ اور حدیث بیان کرو"

ایک بار مروان پر اُنھوں نے روک ٹوک کی، اُس نے غصے سے کہا کہ "لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہؓ بہ کثرت روائتیں کرتے ہیں حالانکہ رسول اللہؐ کی وفات سے چندہی روز پیشتر آئے ہیں"، بولے "میں نے تادم وفات آپ کے ساتھ قیام کیا آپکے ساتھ ازواج مطہرات کے حجروں میں گھومتا رہا، آپ کی خدمت کی، آپ کے ساتھ جہاد کیا،

---

[1] مسند دارمی صفحہ ۵۸

مدینہ کی کوئی حدیث مجھ سے مخفی نہیں رہ گئی" اس کے بعد مروان نے اُن سے کسی قسم ہی روک ٹوک نہیں کی، لیکن باانیہمہ وہ اپنے تمام محفوظات کی اشاعت نہ کرسکے، چنانچہ اُن سے جب کثرت روایت کی شکایت کی گئی تو بولے کہ "میں نے جو کچھ سنا ہے اگر اسکی روایت کروں تو تم مجھے کوڑے مارو گے" ایک روایت میں ہے کہ "میں نے رسول اللہ صلعم سے دو دُعائیں یاد کی ہیں۔ ایک کی تو میں نے اشاعت کردی ہے، لیکن دوسری کی اشاعت کروں تو یہ گردن کاٹ ڈالی جائیگی" اہل تصوف انہی روایتوں سے علم باطن پر استدلال کرتے ہیں،

قرآن و حدیث کے سوا اگرچہ انہوں نے اور آسمانی کتابیں نہیں پڑھی تھیں، تاہم اُن سے اچھی طرح واقف تھے، ایک بار وہ حضرت کعبؓ کے سامنے حدیث بیان کرنے اور سوالات کرنے لگے تو انہوں نے کہا کہ "میں نے بے پڑھے ہوئے تورات کے مضامین کا ماہر ابوہریرہؓ سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا"[۵۱]

---

۵۱ حضرت ابوہریرہؓ کے یہ حالات زیادہ تر اصابہ سے ماخوذ ہیں۔

عام صحابہ

حضرت مالک بن سنان رضؓ

صحابہ کرام میں اگرچہ جیسا کہ ہم اوپر جامع بیان العلم کے حوالے سے لکھ آئے ہیں بیشتر تعداد غرباء کی شامل تھی، لیکن ہم نے ان میں بعض اخلاقی خصوصیات کی بنا پر صرف حضرت مالک بن سنانؓ کو انتخاب کیا ہے،

(۱) فقر و فاقہ سے جو اخلاقی امراض پیدا ہو جاتے ہیں، اُن میں ایک عام مرض یہ ہے کہ انسان سخت خود غرض اور کج خلق ہو جاتا ہے، اور اپنی ذات کے سوا کسی دوسرے کی حالت پر اُس کو رحم نہیں آتا، صرف ایک صحابہ کی جماعت تھی جو ان اخلاقی امراض سے پاک تھی، اور فقر و غنا دونوں حالتوں میں باہم ایک دوسرے کی اعانت کرتی تھی، چنانچہ ارباب غنا جس طرح فقراء و مساکین کی اعانت کرتے تھے، اُسکا حال اصحاب صفہ کے ذکر میں گذر چکا ہے، لیکن ارباب فقر کی باہمی اعانت کا یہ حال تھا کہ قبیلۂ اشعری کے لوگ جب فقر و فاقہ میں مبتلا ہو جاتے تھے تو ہر شخص کے گھر میں جو کچھ ہوتا تھا وہ لاکر سب کے سامنے رکھدیتا تھا اور یہ سب لوگ اُس کو برابر تقسیم کر لیتے تھے[1]،

(۲) کذب و دروغ، خیانت و بددیانتی، اور مکر و فریب بھی ایسے اخلاقی امراض ہیں جو فقر و فاقہ کی حالت میں عموماً پیدا ہو جایا کرتے ہیں، لیکن صحابہ کرام میں ایسے لوگ موجود تھے جو فقر و فاقہ کی وجہ سے اکل میتہ تک کے کھانے پر مجبور ہو گئے، لیکن انھوں نے خیانت و بددیانتی کو جائز نہیں رکھا، چنانچہ ایک صحابی کی اونٹنی گم گئی اور انھوں نے دوسرے صحابی سے کہدیا کہ "ملے تو پکڑ لینا" اُن کو اونٹنی ملگئی لیکن اُسکا مالک کہیں چلا گیا اُنھوں نے اونٹنی اپنے یہاں رکھ چھوڑی کہ مالک آئے تو حوالہ کر دیں

[1] مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل الاشعریین و بخاری باب الشرکۃ فی الطعام۔

اسی اثناء میں اونٹنی بیمار ہوگئی، فقروفاقہ کی حالت یہ تھی کہ مُردار کھانے پر مجبور رہتے، بی بی نے اونٹنی کے ذبح کرنے کی ترغیب دی، لیکن کمالِ دیانت سے اُسکے ذبح کرنے پر راضی نہیں ہوئے، مالک آیا تو اُنہوں نے تمام سرگذشت کہہ سُنائی اُس نے کہا "اُس کو ذبح کیوں نہیں کرڈالا؟ بولے تم سے شرم آتی تھی"[۵۱]

(۲۲) فقروفاقہ کی وجہ سے جو عام اخلاقی مرض پیدا ہوجاتا ہے وہ سوال اور دریوزہ گری ہے، اور حضرت مالک بن سنانؓ کو جس اخلاقی خصوصیت کی بناء پر ہم نے انتخاب کیا ہے، وہ یہ ہے کہ انھوں نے فقروفاقہ میں کئی کئی دن بسر کئے ہیں، لیکن کسی کے سامنے دستِ سوال نہیں پھلایا ہے، اُنکے حالاتِ زندگی نہایت مختصر ہیں، اُنکی تمام زندگی میں صرف دو واقعے ہم کو ملے ہیں، جو باوجود اختصار کے نہایت مؤثر ہیں، وہ شرکائے احد میں ہیں، اور اُسی میں شہید ہوئے ہیں، لیکن فدویت اور محبت رسول کا حق ادا کرنیکے بعد شہادت پائی ہے، چنانچہ اس غزوہ میں جب آپکا چہرہ مبارک زخمی ہُوا تو اُنہوں نے آگے بڑھ کر آپکے رُخسارۂ مبارک کا خون پونچھا اور اُس کو پی گئے آپنے اس جوشِ محبت کو دیکھ کر فرمایا کہ "جو شخص ایسے آدمی کو دیکھنا چاہتا ہے جسکے خون کے ساتھ میرا خون لگ گیا ہے وہ مالک ابن سنان کو دیکھے"

محبت رسولؐ میں لوگوں کے لئے نمونہ ومثال ہونے کے ساتھ وہ خودداری میں بھی لوگوں کے لئے ایک آیت تھے، چنانچہ اُنھوں نے تین دن فاقے میں بسر کئے اور کسی سے کوئی چیز نہیں مانگی، آپ نے اس حیثیت سے بھی اُن کو لوگوں کے لئے ایک نمونہ قرار دیا اور فرمایا کہ "جو شخص خوددار اور مستغنی شخص کو دیکھنا چاہتا ہے، وہ مالک ابن سنان کو دیکھے"[۵۲]

---

[۵۱] ابوداؤد کتاب الاطعمہ باب فی المضطر الی المیتتہ ۱۲

[۵۲] اسدالغابہ تذکرہ حضرت مالک بن سنانؓ،

اکابر علمائے اسلام

بہت سے لوگ ہیں جو اپنی پست ہمتی سے آج قدیم علوم و فنون مثلاً حدیث، تفسیر، فقہ، منطق اور فلسفہ وغیرہ کی کساد بازاری کی یہ وجہ بتاتے ہیں کہ قدیم زمانے میں دُنیا ان علوم کی قدر دان تھی، اور علمائے اسلام پر اسلامی حکومتیں اور سلطنتیں زر و مال کی بارش کرتی رہتی تھیں، امراء و عوام کا طبقہ الگ ان کی قدر کرتا تھا، لیکن آج تمام اسلامی سلطنتیں تباہ و برباد ہو چکی ہیں، جدید علوم و فنون کا دَور دورہ ہے، اور تمام دُنیا انہی علوم کی قدر دان ہے، اس لئے اس کس مپرسی کی حالت میں قدیم علوم و فنون کی گرم بازاری کیونکر ہو سکتی ہے؟ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ابتدائے اسلام ہی سے علم اور دولت میں ہمیشہ بیر رہا ہے، اور یہ دونوں چیزیں ایک جگہ بہت کم جمع ہوئی ہیں، صحابہ کرام میں اصحاب صفہ کا گروہ خالص علمی گروہ تھا، اور قراء کے ممتاز لقب سے یاد کیا جاتا تھا، لیکن تمام صحابہ میں بھی مقدس گروہ سب سے زیادہ فقر و فاقہ میں مبتلا تھا، صحابہ کے بعد اگرچہ امراء و سلاطین نے علوم و فنون کی اشاعت میں نہایت فیاضانہ طریقہ سے حصہ لیا اور اُن کی فیاضیوں سے یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں تک نے فائدہ اُٹھایا، لیکن اس دور میں بھی ہم کو سیکڑوں علماء فقر و فاقہ میں مبتلا نظر آتے ہیں، اور تاریخ ہم کو اُن کی غربت و افلاس کی پُر درد داستان سُناتی ہے، اس بناء پر قدیم زمانے میں تمام مذہبی اور عقلی علوم و فنون کی ترقیوں کا سبب صرف مالی کامیابیاں نہ تھیں بلکہ اسلام نے علماء کے دلوں میں خالص مذہبی اور علمی شوق و ولولہ پیدا کر دیا تھا، اور اس زمانے کی طرح اس شوق و ولولہ کا دار و مدار کسب مال اور حصول دولت پر نہ تھا بلکہ وہ حطام دنیوی کو اس پر قربان کر کے نہایت زہد و قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، اور یہ صرف چند اشخاص کی

مستغنی حالت نہ تھی بلکہ تاریخ و رجال کی ہر کتاب میں اس قسم کے علماء کے حالات اس کثرت سے ملتے ہیں، کہ اگر اُن کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب بن سکتی ہے مجبوراً ہم صرف چند علماء کے متعلق مورخین کی تصریحات نقل کرتے ہیں،

نام	اخلاقی خصوصیت	ترجمہ
محمد بن یوسف بن علی[1]	فیه بشاشة وتواضع للفقراء واهل العلم غير مكترث باهل الدنيا ولا يلتفت اليهم ياتي اليه السلاطين في بيته ويسالونه الدعاء والنصيحة	اُن میں فقراء اور اہل علم کیلئے شگفتہ روئی اور خاکساری موجود ہے، لیکن وہ دُنیا دار لوگوں کی پروا نہیں کرتے اور اُن کی طرف متوجہ نہیں ہوتے خود اُن کے گھر میں بادشاہ آتے ہیں اور اُن سے دُعا اور نصیحت چاہتے ہیں،
عمر بن ابی بکر بن عیسٰی[2]	كان قانعا باليسير حسن العقيدة موصوفا بالدين والخير سليم الباطن	تھوڑی سی وجہ معاش پر قانع تھے، عمدہ عقیدہ رکھتے تھے دین اور نیکی کے ساتھ متصف اور پاک باطن تھے،
حسن بن عبداللہ بن سہل[3]	كان يتبزز احترازا من الطمع والدناءة	لالچ اور دناءت سے بچنے کیلئے وہ بزازی کا پیشہ کرتے تھے،
امام محی الدین نووی[4]	ولازم الاشتغال والتصنيف ونشر العلم والعبادة والاوراد والصيام والذكر على المعيشة الخشنة في الماكل والملبس كلية لا مزيد عليها	علمی شغلہ، تصنیف و تالیف، اشاعت علم، عبادت، وظیفہ، روزہ، ذکر اور کھانے پہننے میں عموماً ایسی سخت جھوٹی زندگی کے پابند تھے کہ اُس پر اضافہ کی گنجائش نہ تھی،

[1] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۱۲۰ [2] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۳۶۰ [3] ایضاً صفحہ ۲۲۱ [4] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۲۶۱

اُن کے حالات میں اُن کے زہد کے بہت سے تفصیلی واقعات بھی مذکور ہیں،

نام	اخلاقی خصوصیت	ترجمہ
عبدالحق بن عبدالرحمٰن[1]	کان موصوفا بالخیر والصلاح والزهد ولزوم السنة والتقلل من الدنیا	خیر و صلاح، زہد، پابندی سنت اور کم طلبی دنیا کے ساتھ موصوف تھے
حسین بن عتیق[2]	کان صلیبا فی دینه ورعا متقللا من الدنیا صبورا علی الالقاء الدرس وخدمة العلم وتلاوة القرآن لیلا ونهارا	اپنے مذہب میں سخت تھے، پرہیزگار تھے، دنیا کی طلب بہت کم کرتے تھے درس دینے خدمت علم کرنے اور رات دن قرآن کی تلاوت کرنے پر صابر تھے
ابو عمر بن عات النفری[3]	کان علی سنن الصالحین فی الانقباض واکل الخشن ولباس الخشن ولزوم التقشف والزهد فی الدنیا	لوگوں سے الگ رہنے، موٹے جھوٹے کھانے، پہننے اور دنیا سے زہد و تقشف کرنے میں صالحین کے طریقے پر تھے

یہ زہد علمائے اسلام کی ایک ایسی مرغوب ترین شے تھی کہ جو لوگ صاحب دولت ہوتے تھے یا کوئی ذریعہ معاش رکھتے تھے وہ بھی اپنے مال اور اپنی آمدنی کو چھوڑ کر اس محبوب ترین وصف سے اپنے آپ کو متصف کرنا چاہتے تھے، مثلاً طاہر بن احمد بن بابِ مصر کے دفتر مراسلات میں ملازم تھے اور وہاں سے جو خطوط اور کاغذات روانہ ہوتے تھے ادبی حیثیت سے اُس کی اصلاح کرتے تھے، لیکن اس کے بعد اُنھوں نے زہد اختیار کر لیا اور دُنیا سے بالکل الگ تھلگ ہو گئے جس کا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ وہ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک بلی آئی، اور اُنھوں نے اُس کے سامنے چند لقمے ڈال دیئے، لیکن وہ اُس کے سامنے جو کچھ ڈالتے تھے وہ خود نہیں کھاتی تھی بلکہ اُٹھا کر دوسری جگہ لے جاتی تھی، اُس نے بار بار ایسا کیا تو وہ اُس کے پیچھے پیچھے ہو لئے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کھانے کو کہاں

[1] ۔۔ صفحہ ۱۱۴ [2] الدیباج المذہب صفحہ ۱۰۵ [3] ۔۔ صفحہ ۱۰۰ ۔

لے جاتی ہے، معلوم ہوا کہ ایک اندھیرے مقام میں ایک اندھی بلی ہے، اور وہ اپنے منہ کے نوالے اُسی کو لیجا کر کھلاتی ہے، اُن کو سخت تعجب ہوا اور دل میں کہا کہ خدا نے جب ایک اندھی بلی کی روزی پہنچانے کے لئے اس بلی کو اُس کا فرمانبردار بنا دیا ہے، تو وہ مجھ کو بھی اس دُنیا سے بے نیاز کر سکتا ہے، چنانچہ اس خیال کے پیدا ہونے کے ساتھ ہی مصر کی جامع مسجد کے منارے میں گوشہ نشین ہو گئے[۱]

یہ زہد و تقشف تو ایک مذہبی جذبہ یعنی توکل کا نتیجہ تھا، لیکن بعض علماء محض علم کیلئے زہد و تقشف اختیار کرتے تھے، چنانچہ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں ابن الحاجب کے متعلق لکھتے ہیں،

وکان یصوم کثیرا یستعین به علی الطلب — وہ اکثر روزہ رکھتے تھے اور اُس کے ذریعہ سے طلب علم میں مدد حاصل کرتے تھے،

امام ابوبکر انباری کی حالت ان سے بھی عجیب تر تھی، وہ ایک دولتمند بزرگ تھے، اور اہل و عیال بھی نہیں رکھتے تھے، اُن کی قوت حافظہ کا یہ حال تھا کہ صرف قرآن مجید کی استشہاد میں پیش کرنے کے لئے اُن کو تین لاکھ اشعار یاد تھے، اور بغیر کتاب کے طلبا کے سامنے املا یعنی لکچر دیتے تھے، ایک بار وہ بیمار ہوئے تو اُن کے احباب عیادت کو آئے، اور اُن کے والد کو سخت پریشان پایا، ان لوگوں نے اُن سے صبر و تسلی کی باتیں کیں تو انہوں نے کتب خانے کی طرف جو کتابوں سے بھرا ہوا تھا اشارہ کر کے کہا کہ "میں کیوں نہ پریشان ہوں درانحالیکہ وہ ان تمام کتابوں کا حافظ تھا، لیکن یہی قوت حافظہ تھی جس کے تحفظ کے لئے انہوں نے دُنیا کی تمام مرغوبات کو چھوڑ دیا تھا، چنانچہ حسن عروضی کا بیان ہے کہ "ایک بار ہم کو اور امام ابوبکر انباری کو خلیفہ راضی باللہ کے دسترخوان پر ایک ساتھ کھانا کھانے کا اتفاق ہوا، جو کچھ وہ کھاتے تھے باورچی کو

---

[۱] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۲۷۲ [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۲۴۶،

اُس کا حال پہلے سے معلوم تھا، اس لئے اُس نے اُن کے لئے خشک قلیہ پکایا، چنانچہ ہم نے تو طرح طرح کے لذیذ کھانے کھائے اور وہ اُسی قلیہ کے کھانے میں مصروف رہے، کھانے کے بعد شیرینی آئی، اس کے بعد ہم اور وہ دونوں سوئے، لیکن اُنہوں نے عصر تک پانی نہیں پیا، عصر کا وقت آیا تو اُنہوں نے غلام سے کہا کہ "مقررہ وظیفہ لاؤ" وہ کنوئیں سے پانی لایا، اُنہوں نے اُس کو پیا اور برف کا پانی چھوڑ دیا، مجھے اس پر غصہ آ گیا اور میں نے شور وغل کیا، اس پر خلیفہ راضی نے مجھے بلایا اور کہا کہ "کیا کوئی ناگہانی واقعہ پیش آیا؟" میں نے یہ واقعہ بیان کیا اور کہا کہ "اے امیر المومنین ان کو روکنا چاہیئے، وہ اپنے آپ کو تباہ کر رہے ہیں" اُس نے ہنس کر امام ابوبکر انباری سے دریافت کیا کہ "آپ ایسا کیوں کرتے ہیں؟" بولے اپنے حافظہ کی حفاظت کرتا ہوں (تر چیزیں قوت حافظہ کے لئے مضر ہوتی ہیں) وہ کھجور کو ہاتھ میں لے کر سونگھتے تھے اور کہتے تھے کہ خود بڑی لذیذ چیز ہے، لیکن اُس علم کی حفاظت جس کو خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے تجھ سے بھی لذیذ ہے" غذا کے بعد سب سے زیادہ دلفریب چیز عورت ہے، لیکن علمی دلفریبی نے اُن کو اس لذت سے بھی محروم کر دیا تھا، چنانچہ ایک بار اُن کو بازار میں ایک حسین لونڈی پسند آئی، اُنہوں نے خلیفہ راضی باللہ سے اُس کا تذکرہ کیا تو اُس نے اُس کو خرید کر اُن کے پاس بھیج دیا، لیکن اس کا انجام یہ ہُوا کہ ایک بار وہ ایک مسئلہ کی تلاش میں مصروف تھے لیکن اسی حالت میں اُن کا دل اُس کے ساتھ مشغول ہو گیا اُنہوں نے ملازم سے کہا کہ "اس کو لیجاؤ، یہ ایسی چیز نہیں کہ میرے دل کو علم سے پھیر دے،" غلام نے اُس کو لیجانا چاہا تو اُس نے کہا کہ "مجھے اُن سے صرف دو بات کر لینے دو" اُس نے اس کی اجازت دی تو اُس نے کہا کہ "آپ ایک ذی رتبہ اور عقلمند آدمی ہیں، اگر آپ نے مجھ کو بغیر اعلان جرم کے نکال دیا تو لوگوں کے دل میں میری نسبت بدگمانیاں پیدا ہوں گی، اس لئے تمہارا صرف یہ گناہ ہے کہ تم نے مجھ کو

علم سے روک دیا" خلیفہ راضی کو معلوم ہُوا تو اُس نے کہا کہ "ان سے زیادہ کسی شخص کا دل علم کی شیرینی سے بہرہ اندوز نہیں ہے[۵۱]"

اسی سلسلے میں وہ علماء بھی داخل ہیں جن کے سامنے حصول مال و دولت کے دروازے تو کھولے جاتے تھے، لیکن وہ علم و مذہب کے لئے اُن کو خود اپنے سامنے کھولنے نہیں دیتے تھے، مثلاً علامہ عبداللہ بن محمد بن قاسم کو خلیفہ مستنصر نے قاضی بنایا لیکن اُنہوں نے استعفاء دیدیا[۵۲] علامہ حماس بن مروان بھی اسی منصب پر ممتاز تھے، لیکن اُنہوں نے کبھی اس عہدے کی تنخواہ نہیں لی[۵۳]

علامہ قاسم بن ثابت بن خرم کے سامنے یہ عُہدہ پیش کیا گیا تو اُنہوں نے انکار کیا، لیکن اُن کے والد نے اُن کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کرنا چاہا تو اُنہوں نے درگاہ الٰہی میں استخارہ کرنے کے لئے تین روز کی مہلت مانگی، لیکن تیسرے ہی روز اُن کا انتقال ہو گیا، اس لئے لوگوں نے خیال کیا کہ اُنہوں نے اپنے لئے خود بددُعا کی[۵۴]

علامہ احمد بن عبدالرحمٰن کو ایک عامل نے ایک خدمت کے صلے میں ہزار دینار دینا چاہے، لیکن اُنہوں نے اُس خدمت کے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ خُدا کی قسم اگر تم مجھ کو زمین بھر سونا دو تاکہ میں اپنے طریقے سے نکل جاؤں اور خدمت علم اور فقہاء کے پاس آمد و رفت سے باز آؤں تو مَیں اس کو پسند نہ کروں گا" چنانچہ اُس عامل کو اُن کی اس بلند ہمتی پر تعجب ہُوا اور اُن کی صحبت کا وہ اور بھی مشتاق ہُوا[۵۵]

امام محمد بن جریر طبری کی خدمت میں بھی یہ عُہدہ پیش کیا گیا لیکن اُنہوں نے اُس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا[۵۶] غرض مُلازمت سرکاری جو آج عزت و مسرت کا سب سے بڑا ذریعہ خیال کی جاتی ہے اُس کو بعض علمائے اسلام نے ایک مصیبت خیال

---

۵۱ بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۱۰ و ۲۰ ۵۲ الدیباج المذہب صفحہ ۱۲۳ ۵۳ ۔۔ صفحہ ۱۰۹ ۵۴ ۔۔ صفحہ ۲۲
۵۵ ۔۔ صفحہ ۴۹ ۵۶ تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۲۷۹

کیا ہے اور اُس سے نجات حاصل کرنے کے لئے دُعائیں کی ہیں، چنانچہ صاحب دیباج المذہب نے ابراہیم بن عبدالرحمان کے تذکرے میں لکھا ہے،

امتحن بصحبة السلطان فصار يستعمله في الرسائل فانصرف في ذلك خط كبير من عمره لا في راحة ولا في نصيب الاخرة وهذه سنة الله فمن خدم الملوك لمتفتا الى ما يعطونه لا الى ما ياخذون من عمره وراحته لطف الله بنا وبمن ابتلى بذلك وخلصنا خلاصا جميلا[1]

وہ بادشاہ کی صحبت کے ساتھ آزمائے گئے چنانچہ وہ اُن سے مراسلات کا کام لیتا تھا اس طرح اُن کی عمر کا ایک بڑا حصہ صرف ہو گیا جس میں نہ اُن کو آرام ملا نہ آخرت کا حصہ، جو لوگ بادشاہوں کی خدمت کرتے ہیں اور صرف اُس مال کو دیکھتے ہیں جس کو وہ اُن کو دیتے ہیں اور اُن کی عمر اور آرام کا جو حصہ لے لیتے ہیں اُس پر نظر نہیں کرتے اُن کے متعلق خدا کی سنت یہی، خدا ہم پر مہربانی کرے اور اُن پر جو لوگ اس مصیبت میں مبتلا ہیں اور ہم کو اس سے بہترین نجات دے،

حافظ ابن ابی ذھل کے سامنے بڑی بڑی گورنریاں پیش کی گئیں لیکن اُنہوں نے انکار کر دیا[2]

یہانتک کہ جو لوگ بہت زیادہ زاہد اور متقشف ہوتے تھے وہ اُس ترکہ کو بھی چھوڑ دیتے تھے جس میں سلاطین و امراء کی ملازمت کا حصہ شامل ہوتا تھا چنانچہ الدیباج المذہب میں جبلہ بن حمود بن عبدالرحمان کے تذکرے میں لکھا ہے،

وكان من افضل رجال سحنون وقد علاهم في الزهد وكان ابوه من اهل الاموال وصحبة السلطان

وہ سحنون کے شاگردوں میں بہترین شخص اور زہد میں اُن سب سے بالاتر تھے، اُن کے باپ دولتمند تھے اور بادشاہوں کی صحبت میں رہتے

[1] الدیباج المذہب صفحہ ۹۰ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۲۱۲،

فنابذهٗ فی حیاتهٖ و تبرّاء من ترکته بعد مماته وکانت لهٗ همة یتیه بها علی الخلفاء

تھے، اس لئے اُن کی زندگی میں اُنھوں نے اُن سے علیحدگی کرلی اور اُن کے مرنے کے بعد اُن کے ترکہ سے بری ہوگئے وہ اپنی بلند ہمتی سے خلفاء کے سامنے مغرور رہتے تھے،

بہت سے علماء ایسے تھے جن کو بادشاہ بڑی بڑی رقمیں بطور وظیفہ دیتے تھے لیکن وہ ان کے قبول کرنے سے انکار کرتے تھے، اور اس شدت کے ساتھ انکار کرتے تھے کہ اُن کو وطن کا چھوڑنا گوارا تھا لیکن یہ رقم گوارا نہ تھی، چنانچہ اسی وجہ سے ایک بار محمد بن یوسف بن علی اندلسی کو اندلس سے مجبوراً مشرق کا سفر اختیار کرنا پڑا،

انھوں نے خود اپنی کتاب نضار میں جس میں اُنھوں نے اپنی طالب العلمی کے حالات اور اپنے سفر وغیرہ کی کیفیت لکھی، اس کا سبب یہ بیان کیا کہ منطق، فلسفہ اور ریاضی کے بعض علماء نے بادشاہ سے کہا کہ "میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور مجھے اپنی موت کا خوف ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ چند طلباء متعین کر دئے جائیں جن کو میں ان علوم کی تعلیم دوں تاکہ میرے بعد وہ بادشاہ کو فائدہ پہنچائیں" چنانچہ مجھے بھی یہ مشورہ دیا گیا کہ میں ان طلباء میں شامل ہوکر معقول وظیفہ اور لباس ہائے فاخرہ حاصل کروں، لیکن میں نے انکار کیا، اور اس خوف سے کہ مبادا مجھ کو اس پر مجبور کیا جائے عازم سفر ہوگیا،[۲]

انھی کے ہمنام ایک اور بزرگ محمد بن یوسف شیخ شمس الدین القونوی حنفی عدم قبول وظیفہ میں ان سے بھی زیادہ سخت تھے، خوش قسمتی سے تمام بادشاہ، قاضی اور نواب اُن کی نہایت عزت کرتے تھے، اور اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، لیکن وہ کمال استغناء سے ان میں کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، بلکہ قولاً و فعلاً اُن کو سرزنش کرتے تھے، اور خطوط میں اُن کے بدترین القاب لکھتے تھے، مثلاً لو ابول اللہ

[۱] الدیباج المذہب صفحہ ۱۰۳ [۲] بغیۃ الوعاۃ تذکرہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف صفحہ ۱۲۱

گورنروں کو ظالم وغیرہ کے القاب سے خط لکھتے تھے، بایں ہمہ یہ لوگ اُن کی اطاعت سے سرمو انحراف نہیں کرتے تھے، لیکن اس اثر و اقتدار کو انہوں نے حطام دنیوی کے حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ وہ وظیفہ یا کوئی اور چیز نہ خود قبول کرتے تھے، نہ اپنی اولاد کو قبول کرنے دیتے تھے[۱]

ایک اور بزرگ یوسف بن حسن تھے جن کے فضل و کمال کا یہ حال تھا کہ جب وہ تبریز سے ماردین میں منتقل ہو گئے تو وہاں کا فرمانروا اُن کے ساتھ نہایت عزت سے پیش آیا اور خاص اُن کے لئے ایک مجلس منعقد کی جس میں وہاں کے تمام علماء و فضلاء شریک ہوئے اور سب نے اُن کے علم و فضل کا اعتراف کیا، لیکن بایں ہمہ انہوں نے اپنے اس اثر و اقتدار سے کوئی مالی فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ اُن کی اخلاقی حالت کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ ہمیشہ علمی کام یا تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے تھے، عمر بھر اُن سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد نہیں ہوا اور دینار و درہم کو کبھی ہاتھ نہیں لگایا[۲]

ایک اور بزرگ عبدالواحد بن علی ہیں جو عربیت، لغت، تاریخ اور ایام عرب کے بہت بڑے ماہر تھے، اس علمی تبحر کے ساتھ اُن کے اخلاق کا نمایاں وصف زہد و قناعت تھا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ امراء کے لڑکوں کے ساتھ نہایت کبر و غرور کے ساتھ پیش آتے تھے، لیکن جب کوئی غریب طالب علم آتا تھا تو اُس کی طرف شدت کے ساتھ توجہ کرتے تھے، وزیر عمید الدین بغداد میں آیا تو اُن کو طلب کیا اور اُن کی باتیں سُن کر نہایت محظوظ ہوا اور اُن کے سامنے کچھ مال پیش کیا لیکن انہوں نے اُس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس کے بعد اُس نے اُن کو ایک نادر قرآن اور ایک عمدہ رومی عصا عطا کیا تو اُس کو قبول کر لیا[۳]

ایک اور بزرگ عباس موصلی تھے جن کے اثر و اقتدار کا یہ حال تھا کہ بادشاہ تک

---

[۱] ر، صفحہ ۱۲۵ [۲] صفحہ ۲۲۲ [۳] صفحہ ۳۱۷

اُن کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے تھے لیکن وہ زہد و قناعت کی وجہ سے نہ اُن کی پروا کرتے تھے، نہ اُن کی تعظیم کو کھڑے ہوتے تھے اور نہ اُن کا عطیہ قبول کرتے تھے، اس کا یہ اثر تھا کہ حاکم حلب پر اگرچہ وہ بہت روک ٹوک کرتے تھے تاہم وہ اُن کی سفارشوں کو رد نہیں کرسکتا تھا[۱]،

حافظ ابن مندہ خود اپنی اخلاقی خصوصیت یہ بتاتے ہیں،

مَا افتصدت قط ولا شربت دواء قط — نہ میں نے کبھی فصد لی، نہ پینے کبھی دوا پی، اور

ولا قبلت من احد شیئا قط[۱] — نہ میں نے کسی کی کوئی چیز قبول کی،

علی بن احمد ایک نہایت دولتمند محدث تھے اُنہوں نے ایک بار ابن جوبہ کو اپنے گھر میں بلایا اور اشرفیوں کے توڑے دکھا کر کہا کہ "جس قدر جی چاہے لیلو" اُنہوں نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ "ہم کو ضرورت نہیں"[۵۳]،

ابن ماسی ایک شخص تھا جو محدث ابو عمر غلام ثعلب کی خدمت میں اُن کے مصارف ضروریہ وقتاً فوقتاً بھیجتا رہتا تھا، ایک بار کسی مجبوری کی وجہ سے اس کو بند کردیا، لیکن بعد کو اُن کا پورا وظیفہ ایک ساتھ بھیج دیا اور اس تعویق پر معذرت کی اُنہوں نے اُس کو واپس کردیا اور خط کی پشت پر لکھوا دیا کہ "آپ پہلے ہماری عزت فرماتے تھے تو ہم اس رقم کے مالک ہو جاتے تھے اس کے بعد جب آپ نے اپنی توجہ ہٹالی تو ہم کو اس دردسر سے نجات ملی[۵۴]"

ایک بار جامع صور میں خطیب بغدادی کے پاس ایک علوی جس کی آستینوں میں اشرفیاں بھری ہوئی تھیں آیا اور کہا کہ "ان کو اپنی ضروریات میں صرف فرمائیے" خطیب نے ترشروئی کے ساتھ جواب دیا کہ "مجھے اس کی ضرورت نہیں" بولا کہ "شاید

---

[۱] نکت الہمیان فی نکت العمیان للصفدی صفحہ ۱۹، [۵۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۲۳۰، [۵۳] ،، صفحہ ۹۰، [۵۴] ،، ،، صفحہ ۹۰،

آپ اس کو کم سمجھتے ہیں" اور یہ کہکر اُن کے مصلے پر آستین جھاڑ دی اور کہا کہ "یہ تین سو[٥١] اشرفیاں ہیں" خطیب نے مصلیٰ سنبھالا اور چلتے ہوئے، اور علوی اپنا سا مُنہ لے کر رہ گیا، فضل ابن عمر انسوی اس واقعہ کے راوی ہیں، اور وہ اس روایت کو نقل کر کے کہتے ہیں۔

فما انسی عز خروجه و ذل العلوی و هو یجمع الدنانیر[٥٢]

تو جس عزت کے ساتھ خطیب نکلے اور جس ذلت کے ساتھ علوی نے اشرفیوں کو سمیٹا، میں اس منظر کو نہیں بھولتا،

ایک بار خلیفہ سفاح مدینہ میں آیا اور ربیعہ بن عبد الرحمان کو کچھ مال دینے کا حکم دیا لیکن اُنہوں نے قبول نہیں کیا[٥٣]،

اسلام بن جعفر بن یحییٰ برمکی کی فیاضیوں نے تمام دُنیا کو اپنا غُلام بنا لیا تھا لیکن اپنے استغناء کے بدولت صرف محدثین کا گروہ اس غلامی سے آزاد تھا، چنانچہ ایکبار اُس نے عیسیٰ بن یونس کو ایک لاکھ درہم دینا چاہے، لیکن اُنہوں نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ "اہل علم طعنہ دینگے کہ میں نے حدیث کی قیمت لی[٥٤]"،

ایک بار ماموں رشید نے اپنے یہاں محدثین کو روائیت حدیث کے لئے بلوایا، عبد اللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یونس کے سوا سب لوگ آ گئے، مجبوراً امین اور ماموں نے خود ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے، سب سے پہلے ابن ادریس کے پاس آئے تو اُنہوں نے اُن کے سامنے سو حدیثیں بیان کیں، اس کے بعد عیسیٰ بن یونس کی خدمت میں گئے تو اُنہوں نے بھی حدیثیں بیان کیں، ماموں نے اُن کو دس ہزار کی رقم دینے کا حکم دیا لیکن اُنہوں نے اُس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا[٥٥]،

٥١ تذکرۃ الحفاظ جلد ٢ صفحہ ٢٣٣ ٥٢ تذکرۃ الحفاظ جلد ٣ صفحہ ١٤٢ ٥٣ ؍؍ ؍؍ صفحہ ٢٥٢

٥٤ تذکرۃ الحفاظ جلد صفحہ ٢٥٦ ÷

ایک بار امیر طاہر نے حافظ محمد بن رافع کی خدمت میں پانچ ہزار کی رقم بھیجی لیکن اُنھوں نے قبول نہیں کیا اور کہا کہ "آفتاب لب بام آگیا ہے ایک گھنٹے کے بعد ڈوب جائیگا"[۱]

علمائے اسلام بالخصوص محدثین وفقہاء کے حالات میں اس قسم کی بہ کثرت مثالیں مل سکتی ہیں اور ان تمام مثالوں کے قائم کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ دنیا میں علم و مذہب کی صحیح اشاعت ہو اور علمی اور دینی اغراض دُنیوی اور مادی اغراض سے مخلوط نہ ہونے پائیں، چنانچہ ایک بار حافظ ابونصر البخری کی خدمت میں ایک عورت آئی، اور ہزار اشرفیوں کی ایک تھیلی کو اُن کے سامنے رکھ کر کہا کہ "آپ اس کو جہاں چاہیں صرف کریں" بولے "تمہارا مقصد کیا ہے؟" اُس نے کہا کہ "آپ مجھ سے نکاح کر لیجئے، مجھے بذاتِ خود شوہر کی ضرورت نہیں، اس طریقے سے صرف آپ کی خدمت کرنی چاہتی ہوں" بولے کہ "اشرفیوں کی تھیلی لے کر واپس جاؤ" وہ واپس گئی تو فرمایا کہ "میں بجستان سے صرف طلب علم کی نیت کرکے نکلا ہوں، اگر نکاح کر لوں تو مجھ سے طالب العلم کا خطاب چھن جائیگا، اور میں تحصیل علم کے ثواب پر کسی دوسری چیز کو ترجیح نہیں دے سکتا۔[۲]

حافظ ابراہیم بن طہمان کو بیت المال سے کچھ وظیفہ ملتا تھا، ایک بار اُن سے خلیفہ کے دربار میں کوئی مسئلہ پوچھا گیا تو اُنھوں نے کہا کہ "میں نہیں جانتا"۔ لوگ بولے کہ "آپ ہر مہینے میں اس قدر وظیفہ لیتے ہیں اور اس قسم کے مسئلہ کا بھی ٹھیک جواب نہیں دیسکتے" فرمایا "میں وظیفہ صرف اُس مسئلہ کا لیتا ہوں جس کا ٹھیک جواب دے سکتا ہوں، اور اگر اس فرق کو اُٹھا دیتا تو بیت المال کا کُل سرمایہ فنا ہو چکا ہوتا"[۳]

ایک بار قاضی معافی بن معافی نے حافظ عثمان بن مسلم کو دس ہزار اشرفیاں اس غرض سے دینا چاہیں کہ ایک شخص پر جرح و تعدیل نہ کریں اُنھوں نے انکار کر دیا اور

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۹۲ [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۳۱۶ [۳] تذکرۃ الحفاظ جلد اوّل صفحہ ۱۹۲

کہا کہ "میں ایک حق کو باطل نہیں کر سکتا"[۵۱]

یہ سچ ہے کہ اسلام میں متعدد علماء و محدثین دولتمند بھی تھے، لیکن وہ لوگ بھی اپنی دولت کا کل یا بہت بڑا حصہ اشاعت علم پر صرف کرتے تھے، مثلاً حافظ احمد بن مہدی جو ایک دولتمند محدث تھے اہل علم پر تین لاکھ درہم صرف کئے،[۵۲] دعلج بن احمد بھی نہایت دولتمند محدث تھے، اور اہل علم پر بے دریغ دولت صرف کرتے تھے، چنانچہ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں،

وله صدقات جارية على اهل الحديث بمكة والعراق وسجستان۔	انہوں نے مکہ، عراق اور سجستان میں اہل حدیث پر اوقاف کر رکھے ہیں،

اُنہوں نے ابن عقدہ کے پاس اپنا مسند بھیجا تو ہر دو ورق کے درمیان ایک اشرفی رکھ کر بھیجا، ایک بار ابن جبیر کو اپنے گھر میں لائے، اور بہت سے توڑے دکھا کر کہا کہ "جسقدر چاہو لیلو"[۵۳] حافظ ابن ابی ذہل محدثین و اخیار کے ساتھ بہت اچھے سلوک کرتے تھے یہانتک کہ جو خاندان اُن کے زیر کفالت تھے اُن کی تعداد ۱۵ ہزار سے زیادہ تھی،[۵۴]

صرف دولتمندوں ہی کی تخصیص نہیں بلکہ جو لوگ معمولی سرمایہ رکھتے تھے وہ بھی علم پر اپنی دولت کو بے دریغ لٹاتے تھے، مثلاً حافظ صالح بن احمد کی ملک میں صرف ایک پن چکی تھی جس کو اُنہوں نے سات سو دینار پر فروخت کر کے اہل حدیث کے لکھنے پڑھنے کا سامان کیا،[۵۵]

بہرحال اسلام میں علماء کا مایۂ ناز یہ نہیں تھا کہ اُنہوں نے علم کے ذریعہ سے کسب مال کیا ہے، بلکہ اُن کا مایۂ ناز یہ تھا کہ اُنہوں نے علم پر اپنی دولت صرف کی ہے، چنانچہ حافظ ابن الجوہر نے حدیث کی نقل و کتابت میں اپنا کل موروثی مال صرف کر دیا،[۵۶]

---

۵۱ تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۳۴۸ ۵۲ تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۷۴ ۵۳ تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۹۷ و ۹۸
۵۴ تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۲۱۳ ۵۵ تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۱۹۲ ۵۶ تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۲

حافظ جوزقی خود فرماتے ہیں،

انفقت فی طلب الحدیث مأتہ الف درہم ما کسبت بہ درہما[51]

میں نے طلب حدیث میں ایک لاکھ درہم صرف کئے اور علم حدیث کے ذریعہ سے ایک درہم بھی نہیں کھایا،

یہانتک کہ اگر کسی نے اس اصول کی خلاف ورزی کی تو یہ اُس کے لئے ننگ و عار کا موجب خیال کیا گیا، حافظ علی بن عبد العزیز نے فقر و فاقہ کی وجہ سے علم حدیث کو ذریعہ معاش بنایا تو معتوب خلائق ہو گئے[52]۔ ابو یعلی موصلی اور حسن بن سفیان دونوں بڑے پایہ کے محدث تھے، لیکن ایک موقع پر ابو عمرو الجری نے ابو یعلی کو حسن بن سفیان پر ترجیح دی تو لوگوں نے کہا "یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ حالانکہ حسن کا مسند بڑا ہے اور اُن کے شیوخ بلند پایہ لوگ ہیں" بولے "اس کی وجہ یہ ہے کہ ابو یعلی خالصتہً لوجہ اللہ روایت حدیث کرتے تھے، اور حسن بن سفیان نے اس کو ذریعہ معاش بنا لیا تھا[53]"

اس قسم کی حرص و طمع کا مرکز صرف امراء و سلاطین کا دربار ہو سکتا تھا اسلئے محدثین نے امراء و سلاطین کے تقرب ہی کو ناجائز قرار دیا تھا چنانچہ علامہ ایوب سختیانی نے ابو قلابہ کو چند نصیحتیں کیں جن میں ایک نصیحت یہ تھی،

ایاك وابواب السلطان

بادشاہ کے دروازوں سے محترز رہو،

امام سفیان سے مروی ہے کہ

فی جھنم واد لا یسکنہ الا القراء الزوارون للملوك۔

جہنم میں ایک ایسا وادی ہے جسمیں صرف وہ قراء آباد ہونگے جو بادشاہوں کی زیارت کرتے ہیں،

اسمٰعیل بن علیہ عشور یا صدقات کا متولی ہوا تو اُس نے حضرت عبد اللہ بن مبارک کو لے سے اس کام کے لئے چند قراء طلب کئے لیکن اُنہوں نے اُس کا یہ جواب دیا

---

[51] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۲۱۹ [52] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۹۷ [53] تذکرۃ الحفاظ صفحہ ۲۷۵

یا جاعل العلم لہ بازیا	یصطاد اموال المساکین
اے وہ شخص جسنے علم کو باز بنالیا ہے	جو غریبوں کے مال کا شکار کرتا ہے
احتلت للدنیا ولذاتھا	بحیلۃ تذھب بالدین
تونے دنیا اور دنیا کی لذتوں کیلئے	ایک ایسا حیلہ اختیار کیا ہے جو دین کو فنا کر دیگا
لا تبتغ الدنیا بدین کما	یفعل ضلال الرھابین
دُنیا کو دین سے حاصل نہ کر	جیسا کہ گمراہ رہبان کرتے ہیں

ایک بار وہب بن منبہ سے کہا گیا کہ آپ پہلے جو خواب دیکھتے تھے اُس کی تعبیر بالکل ٹھیک نکلتی تھی بولے کہ "جب سے میں قاضی ہُوا یہ بات جاتی رہی،، عبدالرزاق نے معمر کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا تو بولے کہ "جب سے وہ قاضی ہوئے، محدثین نے اُنکی سمجھ کو پسند نہیں کیا"

ایک محدث کے بھائی راتوں کو قاضی اور والی کے یہاں سلام کرنے جایا کرتے تھے اُن کو خبر ہوئی تو لکھا کہ "جو شخص تم کو دن میں دیکھتا ہے وہی رات میں بھی دیکھتا ہے یہ میرا آخری خط ہے جو مَیں تم کو لکھتا ہوں[۱]"

زمانہ مابعد میں اگرچہ یہ حالت بدل گئی، لیکن اولاً تو اس زمانے میں بھی ایسے علماء موجود تھے، جن کو قدماء کی یہ خصوصیت یاد تھی چنانچہ علامہ ابلی مسلمانوں کے علمی تنزل کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ

> علم کو تصنیفات کی کثرت، اور مدرسوں کے قیام نے برباد کیا کیونکہ علمی ذخیرہ کے جمع کرنے کا اصلی ذریعہ علمی سفر تھا اور تصنیفات و تالیفات نے اس ذریعہ کا بالکل سدباب کر دیا، سفر میں ایک شخص زر خطیر صرف کرتا تھا اور بعض اوقات اُس کو بہت تھوڑا سا علم حاصل ہوتا تھا اس لئے اُس کو تلاش علم میں

[۱] جامع بیان العلم باب ذم العالم علی مداخلۃ السلطان الظالم ؂

جس قدر مشقت کرنی پڑتی تھی اُسی قدر علم کی طرف اُس کی توجہ ہوتی تھی، اس کے بعد یہ درجہ آیا کہ بہت بڑی جامع علم کتاب کو وہ تھوڑی سی قیمت پر خریدنے لگا اور اُس نے اس کتاب پر جس قدر کم قیمت صرف کی تھی اُسی کو اس کتاب کا معیار قرار دیا، رفتہ رفتہ یہ حالت ہوگئی کہ اگلی کتاب کو پچھلی کتاب نے بھلا دیا، مدرسوں کے قیام کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُنہوں نے ان وظائف کے ذریعہ سے جو اُن میں مقرر تھے طلباء کو اپنی طرف کھینچا اور اُن کو اُن لوگوں کی طرف متوجہ کیا جن کو اہل ریاست نے وظیفہ یا تعلیم دینے کے لئے مقرر کیا تھا، یا اُن کو اپنی حکومت میں داخل کرنا چاہتے تھے، اس طرح اِن لوگوں نے طلباء کا رُخ اُن لوگوں کی طرف سے پھیر دیا جو حقیقی طور پر صاحب علم تھے اور اُن کو اس قسم کی ترغیبات نہیں دی جاسکتی تھیں، اور اگر اس قسم کی ترغیبات دی جاتی تھیں تو وہ اُن کو قبول نہیں کرتے تھے[۱]۔

دوسرے جو لوگ علم کو کسب مال کا ذریعہ بناتے تھے وہ بھی اُس سے بہت زیادہ صاحب دولت اور صاحب ثروت نہیں ہوسکتے تھے، چنانچہ مسلمانوں کی علمی تاریخ کا یہ مسلم مسئلہ ہے کہ

"جو لوگ دینی معاملات مثلاً قضاءت، فتویٰ، درس وتدریس، امامت، اذان اور وعظ و پند وغیرہ کا کام انجام دیتے ہیں، اکثر اُن کی دولت و ثروت میں اضافہ نہیں ہوتا"

اور علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں اس عنوان کو قائم کرکے اُس کے حسب ذیل اسباب بتاتے ہیں،

آمدنی جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کاموں کی قیمت ہوتی ہے، لیکن حاجت

---

[۱] البستان فی ذکر الاولیاء والعلماء بتلمسان صفحہ ۲۱۶ و ۲۱۷

اور ضرورت کے لحاظ سے یہ کام مختلف حیثیت رکھتے ہیں، اگر یہ کام تمدن کے لئے ضروری ہیں، اور اُن کی عام طور پر ضرورت ہوتی ہے، تو اُن کی قیمت اور حاجت زیادہ ہوگی، لیکن عموماً لوگوں کو مذہبی سرمایہ داروں کی مجبور کن ضرورت نہیں ہوتی؛ صرف خواص اُن کے سرمایہ مذہبی و علمی کے محتاج ہوتے ہیں اور ان میں بھی وہ لوگ جو اپنے دین کی طرف مائل ہیں، اگرچہ متعدمات میں قضاءت اور فتووں کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن یہ ضرورت عام اور مجبور کن نہیں ہوتی، اس لئے زیادہ تر لوگ ان مذہبی لوگوں سے بے نیاز ہوتے ہیں؛ صرف صاحب حکومت لوگ مصالح کے لحاظ سے اُن کے وظائف مقرر کرتے ہیں، لیکن اس میں بھی یہ لحاظ رکھتے ہیں کہ پبلک کو ان کی کس قدر ضرورت ہے؟ ان کو دینی اور شرعی حیثیت سے اہل شوکت اور اہل پیشہ کے برابر نہیں کر دیتے بلکہ اُن کی روزی اُس کی عام حاجت اور متمدن لوگوں کی ضرورت کے مطابق تقسیم کرتے ہیں، اس لئے اُن کے حصہ میں جو کچھ آتا ہے تھوڑا ہوتا ہے،

اپنے سرمایہ کے شرف کے لحاظ سے بھی وہ مخلوق اور نیز اپنے نزدیک نہایت معزز ہوتے ہیں اس لئے اہل جاہ کے سامنے تقریب وحصول معاش کے لئے سر نہیں جھکاتے بلکہ علمی سرمایہ اُن کو ایسے دماغی اور جسمانی مشاغل میں مصروف رکھتا ہے کہ اس کے لئے اُن کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا بلکہ اس سرمایہ کے شرف کی وجہ سے اہل دُنیا کے سامنے وہ اپنے آپ کو ذلیل کر ہی نہیں سکتے اور اُن سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں، اس لئے اُن کی دولت وثروت میں ترقی نہیں ہوتی،

مَیں نے اس مسئلہ پر بعض فضلاء سے بحث کی تو اُنہوں نے میری تردید کی لیکن مجھے ماموں کے دفتروں کے حسابات کے چند پھٹے ہوئے کاغذات مل گئے،

جس میں بہت سے مداخل و مصارف درج تھے، میں نے اُن کو پڑھا تو اُن میں قاضیوں، اماموں اور مؤذنوں کے وظائف بھی درج پائے، اور وہ میں نے اُن کو دکھلائے تو اُن کو معلوم ہُوا کہ مَیں جو کچھ کہتا تھا وہ صحیح تھا، اور وہ اپنی رائے سے رجوع کر گئے[۱]

غرض سلسلۂ ملازمت میں تو علّامہ موصوف کی تصریح کے مطابق علماء و فضلاء کو نمایاں مالی کامیابی نہیں ہوسکتی، اب حصول معاش کی صرف دو صورتیں رہ جاتی ہیں یعنی زراعت اور تجارت، لیکن علّامہ موصوف نے سلسلہ ملازمت میں علماء و فضلاء کے ناکامیابی کی جو اخیر وجہ بتاتی ہے، وہ ان دونوں صورتوں میں بھی موجود ہے، چنانچہ وہ زراعت کے متعلق لکھتے ہیں،

ویختص منتحلہ بالمذلۃ قال صلی اللہ علیہ وسلم وقد رای السکۃ ببعض دور الانصار ما دخلت ھذہ دار قوم الا دخلہ الذل ۔	زراعت کرنے والے ذلّت کے لئے مخصوص ہیں رسول اللہ صلعم نے بعض انصار کے گھر میں ہل دیکھا تو فرمایا کہ جس گھر میں یہ داخل ہوتا ہے، ساتھ ساتھ ذلّت بھی داخل ہوتی ہے[۲]

تجارت کے متعلق اُنھوں نے یہ عنوان قائم کیا ہے کہ

"تاجروں کے اخلاق، شرفاء و سلاطین کے اخلاق سے پست ہوتے ہیں"

اور اس کے تحت میں لکھا ہے کہ تجارت میں دغا و فریب کرنا پڑتا ہے اور "بیع و شراء میں جھوٹی قسمیں کھانی پڑتی ہیں، اور یہ اخلاق نہایت ذلیل ہیں یہی وجہ ہے کہ اہل ریاست تجارت سے احتراز کرتے ہیں، اگرچہ بعض لوگ اپنی شرافت نفس سے اُن سے محفوظ بھی رہتے ہیں، لیکن یہ نادر الوجود مثالیں ہیں[۳]"، اس بنا پر علماء و فضلاء جو اپنی عزّت نفس و معالی اخلاق کی وجہ سے امراء و سلاطین کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کرسکتے وہ

---

[۱] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۲۲-۴۲۳ [۲] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۲۳ [۳] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۳۵

اس قسم کے ذلیل پیشے اختیار کر کے کیونکر اپنی دولت و ثروت کو ترقی دے سکتے ہیں؟ علمائے اسلام میں اگرچہ بہت سے بزرگوں نے زراعت و تجارت کے ذریعہ سے کامیاب زندگی بسر کی ہے، لیکن وہ اُنہیں نادر لوگوں میں تھے، جن کی طرف علامہ موصوف نے اشارہ کیا ہے، عام طور پر علماء ان دونوں پیشوں سے الگ تھلگ رہے ہیں،

علامہ شہاب الدین احمد بن علی دبجی نے "الفلاکتہ والمفلوکون" میں علماء کے فقر و فاقہ کے اسباب پر جو بحث کی ہے، اور اُس کی جو وجہیں بتائی ہیں اُس کا خلاصہ مع اضافہ حسب ذیل ہے:-

(۱) علماء و فضلاء والی اور گورنر تو ہو نہیں سکتے، اور تجارت کی بُنیاد اخلاق رذیلہ پہ ہے، زراعت اور صنعت و حرفت میں بھی اس قسم کی ذلیل دُنیوی تدبیروں سے کام لینا پڑتا ہے جو علماء کے شایان شان نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ موہوم امیدوں پر فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے ہیں،

(۲) علماء و فضلاء اپنے مذہبی اور علمی فضائل کی بنا پر اپنے آپ کو عزت و احترام کا مستحق سمجھتے ہیں، اور لوگوں سے اسی قسم کی توقعات رکھتے ہیں، لیکن لوگ بالخصوص ہمارے زمانے میں، اُن کی کوئی وقعت نہیں کرتے، اس لئے اُن کی تمام امیدیں ناکامیاب ہوتی ہیں، اور زمانہ اُن کی بنیاد کو اُکھیڑ پھینکتا ہے،

(۳) چونکہ وہ علمی حیثیت سے قواعد کلیہ کے استعمال کرنے کے عادی ہیں، اس لئے وہ دنیوی معاملات میں بھی انہی قواعد سے کام لیتے ہیں، ایک چیز کو قیاس فقہی کے موافق دوسری مشابہ چیز پر قیاس کرتے ہیں، الحاق النظیر بالنظیر اور قیاس تمثیلی کے مطابق بعض واقعات کو بعض واقعات سے ملاتے ہیں لیکن قضایائے کلیہ اگرچہ بعض حیثیتوں سے باہم اکثر اسباب کے موافق و مناسب ہوتے ہیں، تاہم بعض یا متعدد وجوہ کی بنا پر جو اُن کی سمجھ پر مخفی رہتی ہیں، جو معاملات دُنیوی کے ظاہر نہیں ہیں، یا کسی خاص وجہ سے

یا کسی مانع کے وجود یا کسی شرط کے فقدان کے باعث، اُن میں باہم اختلاف بھی ہوتا ہے، کبھی یہ قاعدہ جس سے فرع کا حکم مستنبط کیا گیا ہے، کلی نہیں ہوتا بلکہ اکثری ہوتا ہے، اور وہ فرع اُس اکثر کے تحت میں داخل نہیں ہوتی، لیکن یہ لوگ ان تمام خبروں سے غافل ہوتے ہیں، اور اپنے علمی قواعد کی بنا پر اپنے قیاسات کو قابل اعتماد اور صحیح سمجھتے ہیں، اس لئے دنیوی اور سیاسی معاملات میں اُن کو اکثر سراسیگی اور ناکامیابی حاصل ہوتی ہے، لیکن معمولی عقلمند آدمی چونکہ اصول، قواعد، قیاس، الحاق النظیر بالنظیر، عکس، دلیل خلف اور تلازم وغیرہ سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لئے وہ ہر معاملے پر خبر کی حیثیت سے نگاہ ڈالتے ہیں، اپنے ذہن کو موانع وعوائق سے پریشان نہیں کرتے، اور کثرت احتمالات سے جو ضعف عزم، اور اضمحلال ارادی پیدا ہوتا ہے، وہ اُن میں نہیں پایا جاتا اس لئے وہ عزم و یقین کے ساتھ اپنے مقصد کی طرف بڑھتے ہیں اور اپنی توقعات میں اکثر کامیاب ہوتے ہیں۔

(۴) وہ لوگ اپنے عمیق غور و فکر کی وجہ سے دور از کار احتمالات پیدا کرتے رہتے ہیں، اور خود بینی کی بنا پر اُن پر وثوق رکھتے ہیں، لیکن جس چیز میں احتمال پیدا ہو جاتا ہے اُس میں لازمی طور پر رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے وہ ہمیشہ مفلوک الحال رہتے ہیں،

(۵) جو علماء کتاب و سُنّت کے خدمتگذار نہیں ہوتے، اور فقہ میں اُن کو کمال نہیں ہوتا بلکہ اس کے بجائے قدمائے یونان کے علوم و فنون مثلاً، فلسفہ، منطق، جدل، طب اور فلسفیانہ تصوف وغیرہ کے ماہر ہوتے ہیں، اُن کے دل میں شریعت کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اور وہ ہر قسم کے معاصی و منکرات کے مرتکب ہوتے ہیں اور حصول لذت میں منہمک رہتے ہیں، لیکن علماء کی معاشں کا دار مدار تمام تر مذہبی پابندی اور شرعی عظمت پر ہے، لوگ اُن سے برکت حاصل کرتے ہیں، اُن سے خواستگار دُعا ہوتے ہیں، اور جائز پیشوں سے بھی اُن کو بالاتر سمجھتے ہیں، اس لئے جس حکیم فلسفی علماء محرمات شرعیہ سے اجتناب نہیں کرتے، اور اُن کی استجابت صفحہ کے لئے

اُن کا عمل سفارش نہیں کرتا، اور اُن میں برکت کے آثار نظر نہیں آتے، تو لوگ اُن کے مطلب برآری میں ساعی نہیں ہوتے بلکہ اُن پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، اور اُن کو زندیق و ملحد سمجھتے ہیں، اس لئے اس پورے گروہ میں فقر و فاقہ کی وبا جذام و برص کی طرح پھیل جاتی ہے، فلسفہ و طب کی تاریخ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، اُن میں اس قسم کی بہ کثرت مثالیں مل سکتی ہیں،

عبد السلام بن عبد القادر المدعو بالرکن ایک مشہور صوفی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور اُنہوں نے دوسری قوموں کے علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی تھی، ان کی بہ کثرت کتابیں جمع کی تھیں، اور اس حیثیت سے نہایت شہرت حاصل کی تھی، سلطنت امامیہ ناصریہ میں اُن کو فروغ حاصل ہُوا تو کمینہ خواشخاص کو اس پر رشک ہُوا اور اُنہوں نے اُن پر یہ الزام لگایا کہ "وہ خدا کو معطل اور بیکار مانتے ہیں، اور اس معاملہ میں فلسفیوں کے اقوال کی طرف رجوع کرتے ہیں" پولیس نے اس الزام کی بنا پر اُن پر، اور اُن کے ساتھ اُنکی کتابوں پر چھاپہ مارا تو اُس میں فلسفیوں کے علوم کا بہت بڑا ذخیرہ ملا، شاہی حکم سے یہ تمام علمی سرمایہ بغداد کے ایک مقام میں جو رحبہ کے نام سے مشہور تھا جمع کیا گیا، اور عام مجمع کے سامنے اُس میں آگ لگائی گئی، اس غرض سے عبد اللہ التیمی البکری المعروف با بن المارستانیہ طلب کئے گئے" اور اُن کے لئے ایک منبر رکھا گیا جس پر چڑھ کر اُنہوں نے ایک تقریر کی، جس میں فلاسفہ اور متبعین فلاسفہ پر لعنت بھیجی، عبد السلام بن الرکن کا ذکر بُرائی کے ساتھ کیا، کتابوں کے جلانے کا یہ طریقہ تھا کہ ایک ایک کتاب نکالتے تھے، اور نہایت مبالغہ و شدت کے ساتھ، اُس کی اور اُس کے مصنف کی بُرائی بیان کرتے تھے: پھر اُس کو ایک شخص کے حوالے کرتے تھے جو اُس کو نذر آتش کرتا تھا،

حکیم یوسف السبتی الاسرائیلی کا بیان ہے کہ میں اُس وقت بغداد میں تاجرانہ

مقیم تھا، میں بھی اس مجمع میں شریک ہوا ابن المارستانیہ کی تقریر سُنی اور اُن کے ہاتھ میں ابن ہیثم کی کتاب الہیئۃ دیکھی، اور اُس میں جس دائرہ کے ذریعہ سے آسمان کی تصویر نمایاں کی گئی ہے، وہ اُس کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے کہ "یہ اشدترین مصیبت، اور اندھا دُھند آفت ہے" تقریر کے ختم کرنے کے بعد انہوں نے اُس کتاب کو پھاڑ کر آگ میں ڈالدیا، مجھ کو اس سے اُن کی جہالت اور تعصب کا پتہ چل گیا کیونکہ علم ہیئت میں کوئی کُفر نہیں ہے، وہ تو ایمان کا ایک راستہ، اور خدا کی قدرت کی معرفت کا ایک ذریعہ ہے" بہرحال رُکن عبدالسلام اس جرم میں ایک مدت تک قید رکھے گئے، اور ۱۴ ربیع الاول ۵۸۹ھ روز شنبہ کو رہا ہوئے[1]،

بن ابن رشد ایک نہایت بلند پایہ فلسفی ہے، لیکن اُس کو بھی عوام کی شورش سے شاہ منصور نے اسی فلسفہ دانی کے جرم میں جلاوطن کیا، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فلسفہ اور منطق کی بہ کثرت تصنیفات ہر جگہ سے مہیا کر کے جلوا دیں سختی کے ساتھ ان کتابوں کے پڑھنے کی ممانعت کر دی چنانچہ علامہ ابن ابی اصیبعہ طبقات الاطباء میں لکھتے ہیں،

وکان المنصور قد قصد ان لا یترک	منصور نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اپنے مُلک میں منطق
شیئا من کتب المنطق والحکمۃ باقیا	اور حکمت کی کوئی کتاب باقی نہ رہنے دے اور
فی بلادہ واباد کثیرا منہا باحراقہا بالنار	بہت سی کتابوں کو اُس نے آگ میں جلا کر برباد
وشدد فی ان لا یبقی احد یشتغل	کر دیا اور اس معاملہ میں سختی کی کہ کوئی ان کتابوں
بشیء منہا وانہ متی وجد احد ینظر فی	میں مشغول نہ رہے اور جب کوئی اس علم میں مصروف
ھذا العلم او وجد عندہ شیء من	نظر آئے، یا اُس کے پاس اس علم کی کتابیں
الکتب المصنفۃ فانہ یلحقہ ضرر عظیم	ملیں تو اُس کو سخت نقصان پہنچے گا[2]،

[1] اخبار الحکماء قفطی صفحہ ۱۴۳ [2] کتاب مذکور جلد ۲ تذکرہ حفید ابوبکر بن زہر صفحہ ۶۹ ؎

اس موقع پر جزئیات کے استقصاء کی گنجائش نہیں، ورنہ اس قسم کے مصیبت زدہ حکماء کی ایک طویل فہرست درج کی جا سکتی ہے، اسلام میں امام غزالی، امام رازی، علامہ سیف الدین آمدی، اور شیخ الاشراق سے بڑا متکلم اور حکیم کون ہوا ہوگا؟ لیکن ان میں سب کے سب اسی تیغ کے زخم خوردہ ہیں، اندلس میں تو اشخاص سے گذر کر حکمائے اسلام کی پوری جماعت عوام کی زد میں آگئی تھی، اور یہ لوگ اس جوش میں اس قدر مخمور ہو گئے تھے کہ اُن کو قوانین سلطنت کی بھی پروا نہ تھی، چنانچہ علامہ مقری نفح الطیب میں لکھتے ہیں،

کلما قیل فلان یقرء الفلسفة اطلقت	جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلسفہ پڑھتا ہے تو
علیه العامة اسم زندیق فان	عوام اُس کو زندیق کہنے لگتے تھے اور اگر اُسنے کسی
زل فی شبهة رجموه بالحجارة او	شُبہ میں لغزش کھائی تو قبل اس کے کہ اُس کا
حرقوه قبل ان یصل امرہ الی	معاملہ بادشاہ تک پہنچے اُس کو پتھر مارتے تھے
السلطان	یا آگ میں جلا دیتے تھے،

(۴) فلاسفہ کی دنیوی ناکامیابی کا ایک بڑا سبب خود اُن کا فلسفیانہ فخر و غرور تھا، ان میں بہت سے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ حقائق و معارف، نکات و مسائل، اسرار و دقائق انسان کا اصلی کمال ہیں، باقی اور دوسرے دنیوی کمالات، مثلاً جاہ و مال، وغیرہ وہمی اور خیالی چیزیں ہیں، اور وہ درحقیقت انسان کے لئے مایۂ ناز نہیں ہو سکتیں، چنانچہ عزالدین حسن بن محمد اربلی جو ایک اندھے فلسفی تھے فرماتے ہیں،

کمل حقیقتك التی لم تکمل والجسم	اپنی اُس حقیقت کو مکمل کرو جو مکمل نہیں ہوئی ہے
دعه فی الحضیض الاسفل اعطیت	اور جسم کو نیچے کے پست ترین مقام میں چھوڑ دو،
جسمك خادما فخدمته ونسیت	تم کو جسم ایک غلام کیطور پر ملا تھا لیکن تم خود اُسکی خدمت کرنے لگے
عهدك فی الزمان الاول	اور اپنے قدیم معاہدہ کو بھول گئے،

ابوالفتح بستی کہتے ہیں، اور امام غزالی اپنی کتابوں میں اُن کے ان اشعار کو بہت نقل کرتے ہیں،

یاخادم الجسم کم تسعی لخدمته	اے جسم کے خادم کب تک اُسکی خدمت میں جدوجہد کریگا
وتطلب الربح مما فیه خسران علیك	اور تو اُس چیز میں فائدے کی تلاش کرتا ہے جسمیں بالکل نقصان ہے
بالنفس فاستکمل سعادتها فانت	تم نفس کی حفاظت اور اُس کی سعادت کی تکمیل کرو،
بالنفس لا بالجسم انسان	کیونکہ تم نفس کی وجہ سے انسان ہو نہ کہ جسم کی وجہ سے

اسلام کا مشہور فلسفی فارابی کہتا ہے،

اخی خل حیز ذی باطل وکن	برادرمن، اس باطل مقام کو چھوڑ دو۔
للحقائق فی حیز فما الدار دار	اور مقام حقیقت میں بودوباش اختیار کرو،
مقام لنا وما المرء فی الارض	یہ گھر ہمارے رہنے کا نہیں،
بالمعجز وهل نحن الا خطوط وقعن	اور آدمی سطح زمین پر رہنے کیلئے مجبور نہیں،
علی نقطة وقع مستوفز محیط	اور ہم تو صرف وہ خطوط ہیں
السموات اولی بنیا فما	جو ایک نقطے پر پڑگئے ہیں،
ذا التنافس فی المرکز	آسمانوں کا محیط ہمارے لئے بہتر ہے،
. . . .	پھر مرکز کے لیے اسقدر رشک وحسد کیوں؟

اس بنا پر وہ دنیوی جاہ ومال کا حاصل کرنا اپنی فلسفیانہ شان کے منافی سمجھتے تھے اور نہایت زاہدانہ اور صوفیانہ زندگی بسر کرتے تھے، چنانچہ علامہ جمال الدین قفطی جابر بن حیان کے تذکرے میں لکھتے ہیں،

وکان مع هذا امشرفا علی کثیر	اور اس کے ساتھ وہ بہت سے فلسفیانہ علوم سے
من العلوم الفلسفیة ومتقلدا للعلم	واقفیت اور علم باطن سے آراستہ تھے، اور
المعروف بعلم الباطن اهو مذهب	یہی صوفیہ اسلام مثلاً حارث بن اسد المحاسبی اور

المتصوفین من اہل الاسلام کالحارث من اسد المحاسبی وسہل بن عبداللہ التستری وانظر انصرھمؒ	سہل بن عبداللہ التستری اور اُن کے مثل اور لوگوں کا مذہب ہے ،

اسلام میں فارابی سب سے بڑا فیلسوف تسلیم کیا جاتا ہے ، لیکن جب وہ حلب میں سیف الدولہ کے دربار میں آیا ہے ، تو ایک مدت تک صوفیانہ وضع میں زندگی بسر کی ہے شیخ الاشراق تو بالکل راہبانہ اور جوگیانہ زندگی بسر کرتے تھے ، اُنھوں نے اپنی مشہور کتاب حکمۃ الاشراق کے اخیر میں لکھا ہے کہ جب تک کوئی شخص چالیس دن تک تقلیل غذا اور ترک گوشت خواری کر کے نورِ الٰہی میں مستغرق نہ ہو جائے وہ اس کتاب کے پڑھنے کا اہل نہیں ہے ،

ابوالعلاء معری کی نسبت تمام تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ اُس نے برہمنوں کا مذہب اختیار کر لیا تھا ، اس لئے گوشت نہیں کھاتا تھا ، اُس نے اسّی برس سے کچھ زیادہ کی عمر پائی لیکن اس طویل مدت میں ۴۵ سال تک گوشت نہیں کھایا ، یہاں تک کہ ایک بار حالتِ مرض میں طبیب نے اُس کے لئے چوزہ تجویز کیا لیکن جب وہ اُس کے سامنے لایا گیا تو اُس کو ہاتھ سے چھو کر کہا کہ "تجھ کو کمزور سمجھ کر لوگوں نے تجویز کیا ہے ، آخر شیر کے بچے کو کیوں نہیں تجویز کیا"[۳]

(۷) حکماء و فلاسفہ کے بعد متکلمینِ اسلام کا درجہ تھا ، یہ لوگ اگرچہ عقلی دلائل سے مذہب ہی کی تائید کرتے تھے ، تاہم فلسفہ و حکمت کی اثر سے اُن کے عقائد خواہ مخواہ اہل حدیث ، اور اہل ظاہر کے عقائد سے مختلف ہو جاتے تھے اس لئے متکلمین کا پورا گروہ ان بزرگوں کا معتوب و مبغوض تھا ، مثلاً حدیث میں ہے کہ ایک بار مسئلہ قضا و قدر کے متعلق حضرت آدم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام میں مناظرہ ہُوا ، چنانچہ ایک دفعہ ہارون رشید کے دربار میں ایک محدث نے یہی حدیث بیان کی تو ایک شخص بول اُٹھا کہ حضرت آدم و موسیٰ

---

[۱] اخبار الحکماء صفحہ ۱۱۱ [۲] اخبار الحکماء صفحہ ۱۸۳ ؛

جمع کیونکر رہ سکتے تھے؟ اس پر ہارون رشید جو محدثین کا ہم خیال تھا اس قدر برہم ہوا کہ اُس کے قتل کر دینے کا حکم دیا[۱] صرف محدثین اور اہل ظاہر ہی کی تخصیص نہ تھی بلکہ خود متکلمین ایک دوسرے کو کافر بناتے رہتے تھے، چنانچہ اُستاد ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بغدادی محمد بن ہذیل کے تذکرے میں لکھتے ہیں،

وفضائحہ تتری تکفرہ فیھا سائر فرق الامۃ من اصحابہ فی الاعتزال ومن غیرھم[۲]

اُس کے بدنام کن مسائل بہ کثرت ہیں، ان مسائل میں تمام فرق اسلامیہ یعنی معتزلی اور غیر معتزلی سب کے سب اُس کو کافر کہتے ہیں،

اور نظام کے متعلق لکھتے ہیں،

اکثر معتزلہ نظام کی تکفیر پر متفق ہیں مثلاً ابوالہذیل، جبائی، اسکافی اور جعفر بن حرب نے اُس کی تکفیر پر متعدد کتابیں لکھی ہیں، اور اہل سُنت والجماعت نے اُس کی تکفیر میں جو کتابیں تصنیف کیں اُن کا شمار تو خدا ہی کر سکتا ہے، امام ابوالحسن اشعری نے نظام کی تکفیر میں تین کتابیں لکھیں، فلانسی نے بھی اُن پر کتابیں اور رسالے لکھے، قاضی ابوبکر محمد بن ابی الطیب اشعری نے نظام کے بعض اصول پر ایک بڑی کتاب لکھی اور کتاب انکار المتاولین میں اُسکی گمراہیوں کی طرف اشارہ کیا[۳]،

ان اشخاص ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ محدثین اصولی طور پر علم کلام کے مخالف تھے، اور متکلمین کو کافر کہتے تھے، چنانچہ امام غزالی احیاء العلوم میں لکھتے ہیں،

والی التحریم ذھب الشافعی ومالک واحمد بن حنبل وسفیان وجمیع اھل الحدیث من السلف

اور امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام سفیان ثوری اور تمام اگلے اہل حدیث علم کلام کی حرمت کی طرف گئے ہیں،

---

[۱] معجم الادبا ونکت الہمیان تذکرہ معری [۲] تاریخ الخلفاء [۳] کتاب الفرق بین الفرق صفحہ ۱۰۲، [۴] صفحہ ۱۰۰

امام شافعی کا قول تھا کہ اہل کلام کو درے لگانے چاہئیں، اور امام احمد بن حنبل اہل کلام کو زندیق کہتے تھے،

اس کے بالکل برعکس محدثین اور ارباب ظاہر کو متکلمین کے عقائد و خیالات سے صدمہ پہنچتا تھا، اور بعض اوقات اس کا اثر اُن کے جان و مال تک متعدی ہو جاتا تھا، چنانچہ خلیفہ مامون رشید نے جب مسئلہ خلق قرآن کو قبول کیا اور اُس کی عام دعوت دی، تو لوگوں کو حکماً اس عقیدے کے تسلیم کرنے پر مجبور کیا اور اُس کے انکار پر بڑے بڑے محدثین کو سخت سے سخت جسمانی سزائیں دیں، چنانچہ علامہ ابن تیمیہ رسالہ الفرقان میں لکھتے ہیں کہ

مامون رشید نے طرطوس سے جو کہ بغداد اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سرحدی مقام تھا اور ہر طرف سے اہل دین وہاں آتے تھے، اور قیام کرتے تھے، چنانچہ امام احمد بن حنبل اور سری سقطی نے وہاں قیام کیا اور ابو عبید اور صالح بن احمد بن حنبل وہاں کے قاضی مقرر ہوئے، بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم بن مصعب کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا کہ وہ لوگوں کو مسئلہ خلق قرآن کی دعوت دے، لیکن کسی نے اس عقیدے کو قبول نہیں کیا اس کے بعد اُس نے دوسرا مراسلہ بھیجا جس میں یہ حکم تھا کہ جو لوگ اس عقیدے کو تسلیم نہیں کرتے، اُن کے نام قلمبند کر کے اُس کے پاس بھیج دے، اب اکثر لوگوں نے اس عقیدے کو تسلیم کر لیا اور جن سات آدمیوں نے انکار کیا وہ قید کر لئے گئے، قید ہونے کے بعد ان میں سے بھی پانچ آدمیوں نے اس عقیدے کو قبول کر لیا، صرف دو شخص یعنی امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح رہ گئے، جو اپنے انکار پر قائم رہے اس لئے ان لوگوں نے مامون کی خدمت میں ان دونوں بزرگوں کو روانہ کر دیا، لیکن ان کے پہنچنے سے پیشتر وہ اپنے بھائی ابو اسحاق کو وصیت کر کے

مر گیا یہ ۲۱۸ھ کا واقعہ ہے، اس کے بعد امام احمد بن حنبل ۲۳۰ھ تک قید میں رہے لیکن جب ان لوگوں کو فتنہ و فساد کا خوف ہوا تو اُن کو مار پیٹ کر رہا کر دیا، اب جہمیہ کے مذہب کو فروغ حاصل ہوا، چنانچہ جو لوگ اُس کو قبول کر لیتے تھے وہ اُن کو عطیہ دیتے تھے، ورنہ اُن کا وظیفہ بند کر دیتے تھے، اُن کو سرکاری عُہدوں سے معزول کر دیتے تھے، اور اُن کی شہادت نہیں قبول کرتے تھے، یہانتک کہ جب لڑائیوں میں قیدی پکڑتے تھے، تو اُن کو بھی اِس مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرتے تھے، اگر وہ لوگ اس مذہب کو مان لیتے تھے، تو فدیہ لے کر اُن کو رہا کر دیتے تھے، ورنہ اُن کا فدیہ قبول نہیں کرتے تھے، اس کے بعد واثق خلیفہ ہُوا تو یہ سختی اور بھی بڑھ گئی، لیکن متوکّل کا زمانہ آیا تو ابتلاء و امتحان کے اس دور کا خاتمہ اور سنت کا ظہور ہُوا۔[۵۱]

(۸) عُلماء کے ناکامیابی کی ایک وجہ یہ ہے کہ اگر عِلم کو ایک پیشہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو اُس کی حالت اور پیشوں سے مختلف ہے، کیونکہ علم ایک مدت میں حاصل ہوتا ہے، اور ہر طبیعت اُس کو قبول نہیں کر سکتی، بلکہ اُس کا اکثر حصّہ وہبی یعنی عطیہ الٰہی ہوتا ہے، کسب و عمل سے اُس کو بہت کم تعلق ہوتا ہے، اس لئے عُمر کا ایک حصّہ تو اُس کے ابتدائی مراتب کے حاصل کرنے میں صرف ہو جاتا ہے، عُمر کے دوسرے حصّے میں انسان اُس کو متعدد شیوخ سے حاصل کرتا ہے، اور تیسرے حصّہ میں اُس کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوتا ہے، ان تمام مراتب کے بعد اُس کو جو علم حاصل ہوتا ہے، وہ کوئی محسوس چیز نہیں ہوتا کہ اُس کی کوئی کمیت یا مقدار معلوم کی جا سکے، اور اُس کمیت و مقدار کے لحاظ سے ایک عالم کو دوسرے عالم پر ترجیح دینے کا موقع مل سکے، بہت سے اوصاف ایسے ہیں کہ اُن کا اندازہ نہایت آسانی کے ساتھ ہو سکتا ہے، شجاعت اپنی علامات سے

---

۵۱ رسالہ الفرقان صفحہ ۱۴۳۔

بآسانی ظاہر ہو جاتی ہے۔ صناعی اپنے نتائج و آثار سے بہت جلد معلوم ہو جاتی ہے، لیکن علم ایک روحانی چیز ہے جس کا انکار کیا جا سکتا ہے، اُس کی تردید ہو سکتی ہے اور اُس پر پردہ ڈالا جا سکتا ہے، اور بہت سے نالائق لوگ بھی بہ تصنع و تکلف علماء کے گروہ میں شامل ہو سکتے ہیں، غرض اس قسم کی سینکڑوں باتیں ہیں جن سے انسان کا علمی جوہر کھلنے نہیں پاتا اس لئے جو پیشہ ایسا ہو کہ اُس کے محاسن عام نگاہوں سے مخفی ہوں، اُس کا انکار کیا جا سکتا ہو، دوسرے لوگ تصنع اور ملمع سازی کی وجہ اُس میں شامل ہو کر اُس کو ناقابل اطمینان بنا دیں دُنیا کے بازار میں اُس کا رواج کیونکر ہو سکتا ہے؟

(۹) لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلام میں علم نے صرف ایک محدود مدت تک پیشہ کی حکومت اختیار کر لی تھی، اس کے بعد وہ کوئی پیشہ باقی نہیں رہا، یعنی عہد رسالت، عہد خلافت اور اُس کے بعد بنو امیہ اور خلفائے عباسیہ کے دور تک چونکہ اسلام کی مذہبی، سیاسی علمی اور تمدنی طاقت کا بھی عہد شباب رہا، اس لئے علماء بھی دین کے ساتھ دنیوی فوائد سے متمتع ہوتے رہے۔ عہد رسالت میں امام وہی لوگ ہوتے تھے جو اور لوگوں سے زیادہ صاحب علم ہوتے تھے، سپہ سالاری کا عہدہ بھی انہی لوگوں کو ملتا تھا، قاضی اور مفتی بھی یہی لوگ ہوتے تھے، سب سے بڑھ کر یہ کہ خلیفہ بھی وہی ہوتا تھا، جو اور حیثیات کے ساتھ علم و فضل میں بھی اور لوگوں پر فائق ہو، عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ کے بعد اگرچہ جو لوگ خلفاء ہوئے وہ بہت کچھ دنیا کی طرف مائل ہو گئے تاہم اُن کو بھی اس قدر معلوم تھا کہ اسلام کی اصلی طاقت علم، مذہب، ہے اور مذہب ہی نے اسلام کا علمی سرمایہ پیدا کیا ہے، اس لئے یہ لوگ بھی علماء کی عزت کرتے تھے، اور علم پر جان دیتے تھے، نضر بن شمیل نے مامون رشید کو لغت کا ایک صحیح لفظ بتا دیا تو اُس پر اُس نے اُن کو پچاس ہزار درہم دلوا۔ دئے فضل بن سہل کو

اس کے دینے کا حکم ہوا تھا جس نے اپنی طرف سے ۳۰ ہزار درہم کا اور اضافہ کر دیا،

عرجی کا شعر ہے،

اظلوم ان مصابکم رجلا اھدی السلام تحیۃ الظلم

خلیفہ واثق نے ابو عثمان مازنی کو اس غرض سے طلب کیا کہ اس شعر میں "رجلا" کے لفظ پر زبر ہے یا پیش، اور ایک ہزار دینار اس کا صلہ مقرر کر دیا،

قاسم بن سلام ابو عبید نے غریب الحدیث میں کتاب لکھی تو عبداللہ بن طاہر نے انکے لئے دس ہزار دینار کا ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا،

علی بن محمد بن فرات پانچ ہزار علماء و عباد کو ماہانہ وظیفہ دیتا تھا، یونانی علوم وفنون کے تراجم بھی اسی دور میں ہوئے اور اس سے حکماء و فلاسفہ نے غیر معمولی مالی فائدے اٹھائے، لیکن جوں جوں اسلام کی مذہبی، سیاسی اور علمی طاقت ضعیف ہوتی گئی علم و علماء کی قدر دانی میں بھی کمی ہوتی گئی، یہانتک کہ تاتاریوں کے عہد میں اسلامی علوم وفنون کا خاتمہ ہو گیا اور علم ایک ذلیل پیشہ بن کر رہ گیا،

ان تمام اسباب کا نتیجہ ہوا کہ علماء کی ایک جماعت نے نہایت فقر و فاقہ کی زندگی بسر کی، اور باوجود اس فقر و فاقہ کے انہوں نے علم و مذہب کی خدمات انجام دی ہیں، چنانچہ ہم ان میں سے چند مخصوص بزرگوں کے سبق آموز حالات اس رسالے میں درج کرتے ہیں ۔

علامہ عبدالعزیز بن عبدالسلام سلطان العلماء

۵۷۷ھ یا ۵۷۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے، اور ابتدائی زندگی نہایت فقر وفاقہ کے ساتھ بسر کی، پہلے علم کی طرف توجہ نہ کر سکے بلکہ پختگی سن کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوئے، اور سب سے پہلے کتاب التنبیہ کو شروع کیا اور چند دنوں میں اُس کو ازبر کر لیا اس کے بعد ہمہ تن تحصیل علوم کی طرف متوجہ ہو گئے، اور متعدد علماء سے تعلیم حاصل کی مثلاً شیخ فخر الدین ابن عساکر سے فقہ پڑھی، علامہ سیف الدین آمدی وغیرہ سے اصول کی تعلیم حاصل کی، حافظ ابی محمد قاسم، شیخ الشیوخ عبداللطیف بن اسمٰعیل، عمر بن محمد اور قاضی عبدالصمد بن محمد سے علم حدیث کی تکمیل کی، اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہمیشہ مذہبی اور علمی خدمات میں مصروف رہے، چنانچہ جب تک دمشق میں مقیم رہے، زاویہ غزالیہ وغیرہ میں درس دیتے رہے، اور جامع اموی میں خطابت اور امامت کی خدمات بھی انجام دیتے رہے، اور اس سلسلے میں بہت سی بدعات کا ازالہ کیا، مثلاً اُن سے پہلے اور خطباء منبر پر تلوار کھٹکھٹاتے تھے اور اس قسم کی اور اور بدعتیں کرتے تھے، صلاۃ الرغائب اور صلاۃ نصف شعبان کا عام رواج ہو گیا تھا لیکن امام اور خطیب ہونے کے ساتھ ہی اُنہوں نے ان بدعات کا بالکل قلع قمع کر دیا، اسی امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے سلسلے میں اُن کو دمشق چھوڑنا پڑا جس کی تفصیل یہ ہے کہ صالح اسمٰعیل المعروف بابی الجیش نے فرنگیوں سے مدد طلب کی اور اُن کو اس سلسلے میں شہر صیدا حوالہ کر دیا، قدیم زمانے میں علماء کی روک ٹوک صرف مذہبی امور تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ سیاسی کاموں میں بھی نمایاں حصہ لیتے تھے، چنانچہ شیخ ابن عبدالسلام نے اس کی مخالفت کی اور خطبے میں ابوالجیش کے لئے دعا کرنا چھوڑ دیا، شیخ ابوعمرو بن الحاجب المالکی نے

بھی اُن کی تائید کی، اور اس جرم میں معتوب سلطانی ہوکر ۶۳۹ھ میں یہ دونوں بزرگ دمشق سے نکلے، اور مصر کا رُخ کیا، اثنائے سفر میں شیخ عبدالسلام کراک سے گذرے تو وہاں کے بادشاہ نے اُن کا استقبال کیا اور اپنے یہاں قیام کی درخواست کی، لیکن اُنہوں نے جواب دیا کہ "تمہارا شہر چھوٹا ہے، میرے علم کی گنجائش نہیں رکھتا" اس کے بعد وہ مصر کو روانہ ہوئے، اور وہاں کے بادشاہ ملک صالح نجم الدین ایوب بن کامل نے بھی نہایت اعزاز کے ساتھ اُن کا استقبال کیا، اور قضاۃ و خطابت جامع عمرو بن العاص کے عہدے اُن سے متعلق کئے، اسوقت علامہ فخرالدین عثمان بن شیخ الشیوخ ملک صالح کے گھر کے اُستاد تھے، اور اس طرح تمام سلطنت کے اختیارات اُن کے ہاتھ میں آگئے تھے، اُنہوں نے ایک مسجد کی پُشت پر ایک طبل خانہ بنوایا جس پر ہمیشہ طبل بجنے لگا، علامہ ابن عبدالسلام کو معلوم ہوا تو اُنہوں نے اُس کو منہدم کرا دیا، فخرالدین ابن الشیخ کو الگ کر دیا، اور خود بھی معزول ہو گئے، لیکن علامہ فخرالدین نے اس کو کوئی اہم چیز قرار نہیں دیا اور یہ خیال کیا کہ خارجی سیاست پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، لیکن چند ہی دنوں کے بعد ملک صالح نے بغداد میں خلیفہ مستعصم کے پاس ایک قاصد بھیجا، قاصد دربار خلافت میں حاضر ہوکر خلیفہ کے سامنے کھڑا ہوا اور پیغام پہنچایا تو اُس سے سوال کیا گیا کہ "تم نے یہ پیغام خود بادشاہ سے سُنا ہے؟ اُس نے کہا "نہیں" بادشاہ کی جانب سے مجھ کو یہ پیغام اُن کے گھر کے اُستاد فخرالدین ابن شیخ الشیوخ نے دیا ہے" خلیفہ نے جواب دیا کہ "فخرالدین کو ابن عبدالسلام نے معزول کر دیا ہے، اس لئے ہم اُنکی روایت قبول نہیں کر سکتے" مجبوراً قاصد پلٹ آیا اور خود بادشاہ کی زبان سے پیغام سُنکر دوبارہ بغداد گیا اور وہاں جاکر پیغام پہنچایا،

اس واقعہ کے بعد اگرچہ ملک صالح نے دوبارہ علامہ ابن عبدالسلام کو قاضی

نہیں بنایا، تاہم اس سے بادشاہ کی نگاہوں میں اُن کی وقعت کچھ کم نہیں ہوئی، اب اُس نے اُن سے دوسری علمی خدمت متعلق کی، اور مدرسہ صالحیہ کو تعمیر کر کے اُنکے متعلق کلیات شافعیہ کے درس و تدریس کی خدمت کی جس کو اُنہوں نے بخوشی انجام دیا، بادشاہ کے علاوہ وہاں کے علماء نے بھی اُن کی قدر و منزلت کو تسلیم کیا، چنانچہ حافظ دیار مصریہ عبدالعظیم منذری نے اُن کے قیام مصر کے بعد فتویٰ دینا چھوڑ دیا اور کہا کہ "اُن کے آنے سے پہلے ہم فتوے دیا کرتے تھے اور اب اُن کے آنے کے بعد یہ منصب صرف اُن کے لئے مخصوص ہے۔"

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سلسلے میں اب تک اُنہوں نے جس آزادی اور دلیری کے ساتھ کام لیا تھا اُس کی زد میں اگرچہ خود بادشاہ کے خانگی اُستاد علامہ فخرالدین بھی آگئے تھے، تاہم خود بادشاہ اب تک محفوظ تھا لیکن جاہ و جلال کے بعض موقعوں پر اُن کی اس جرأت سے بادشاہ بھی محفوظ نہ رہ سکا، چنانچہ ایک بار عید کو بادشاہ سلاطین مصر کے قدیم دستور کے موافق نہایت شان و شوکت کے ساتھ نکلا، تو امراء نے زمین بوسی کی رسم ادا کی، اسی حالت میں علامہ ابن عبدالسلام بھی قلعے کی طرف نکلے تو دیکھا کہ فوج بادشاہ کے سامنے صف بستہ کھڑی ہے، اور وہ شاہانہ جاہ و جلال کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے وہ اسی حالت میں اُس کی طرف متوجہ ہوئے اور پکار کر کہا کہ "اے ایوب خدا کے سامنے تم کونسی حجت پیش کرو گے جب وہ کہے گا کہ کیا ہم نے تجھ کو مصر کی سلطنت نہیں دی؟ پھر تو نے شراب کو مباح کر دیا" بادشاہ نے کہا کیا ایسا ہوا ہے؟ اُنہوں نے کہا وہاں فلاں جگہ شراب فروخت کی جاتی ہے، اور اُس کے علاوہ اور بھی منکرات سرزد ہوتے ہیں، اور تو اس سلطنت کے عیش و تنعم میں زندگی بسر کر رہا ہے"، وہ چیخ چیخ کر یہ کہتے تھے اور فوج کھڑی ہوئی تھی بادشاہ نے جواب دیا کہ "آقا سُنئے! یہ میرا کام نہیں ہے، بلکہ یہ میرے

باپ کے زمانے سے ہوتا چلا آیا ہے" انہوں نے کہا تو تم اُن لوگوں میں سے ہو جو کہتے ہیں کہ انا وجدنا آباءنا علیٰ امۃ" مجبوراً بادشاہ کو اُس شراب خانے کے بند کرنے کا حکم نافذ کرنا پڑا، وہ بادشاہ کے یہاں سے پلٹے تو اُن کے ایک شاگرد نے اس خبر کو جس کی عام اشاعت ہوچکی تھی سُنکر اُن سے دریافت کیا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ "میں نے اُس کو اس شان وشوکت کی حالت میں دیکھا تو میں نے چاہا کہ اُس کو ذلیل کردوں تاکہ اُس کے نفس میں غرور نہ پیدا ہو" اُنہوں نے کہا کہ "آپ کو بادشاہ سے خوف نہیں معلوم ہوا" بولے "خدا کی ہیبت کو میں نے سامنے بلایا تو مجھ کو بادشاہ بلی کی طرح حقیر نظر آیا" لیکن اُن کی یہ دلیرانہ ورشت کلامی صرف امراء وسلاطین کے ساتھ مخصوص تھی، ورنہ فقراء ومساکین کے ساتھ وہ نہایت نرمی کے ساتھ پیش آتے تھے، ایک بار جب وہ دمشق میں مقیم تھے سخت قحط پڑا اور باغات نہایت کم قیمت پر فروخت ہونے لگے، اُن کی بی بی نے اُن کو ایک زیور دیا کہ اس سے موسم گرما بسر کرنے کے لئے ایک باغ خرید لیں، لیکن اُنہوں نے اُس کو فروخت کرکے اُس کی قیمت کو خیرات کردیا، بی بی نے دریافت کیا کہ باغ خریدا یا نہیں؟ بولے "جنت میں ایک باغ خرید لیا ہے، میں نے لوگوں کو تکلیف میں دیکھا تو اُسکی قیمت کو خیرات کردیا" اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ فقر وفاقہ کی حالت میں بھی اس کثرت سے صدقہ کرتے تھے کہ اگر کچھ نہیں ہوتا تھا تو اپنا عمامہ ہی فقیر کو دیدیتے تھے،

اپنے اثر واقتدار سے اُنہوں نے اندرونی اور مذہبی اصلاحات کے ساتھ اسلام کی عظیم الشان سیاسی خدمتیں بھی انجام دیں، چنانچہ بغداد کو تباہ وبرباد کرکے جب تاتاری تمام ممالک اسلامیہ پر چھاگئے اور اہل مصر اور فوج شاہی نے اس موقع پر بزدلی کا اظہار کیا تو ان لوگوں نے علامہ ابن عبدالسلام سے مشورہ کیا، اُنہوں نے کہا کہ "تم لوگ مقابلے کے لئے نکلو، میں فتح کی ضمانت کرتا ہوں" بادشاہ نے کہا کہ

"میرے خزانے میں مال کی کمی ہے، اس لئے میں تاجروں سے قرض لینا چاہتا ہوں" بولے پہلے تمہارے پاس، تمہارے حرم کے پاس، تمہارے امراء سلطنت کے پاس جو ناجائز زیورات ہوں اُن کو جمع کر کے سکّہ کی صورت میں ڈھال کر فوج پر تقسیم کر دو، اگر اس سے ضرورت پوری نہ ہو تو قرض لو" چونکہ تمام لوگوں پر علامہ موصوف کا سخت اثر تھا سب نے اس قسم کے زیورات اُن کے سامنے لا کر ڈال دئیے، اور فتح پائی، اس فتح کے بعد تاتاری امرائے سلطنت کا معاملہ پیش آیا، جس میں علامہ موصوف نے اس سے بھی زیادہ جرأت و دلیری سے کام لیا، وہ اصول شریعت کے مطابق ان کو آزاد نہیں تسلیم کرتے تھے، اور غلاموں کے طریقے پر اُن کو بیت المال کی ملک سمجھتے تھے لیکن تاتاری امراء کو یہ امر سخت ناگوار تھا اور شیخ اپنی رائے پر قائم تھے اور اُن کی بیع و شراء اور نکاح کو جائز نہیں سمجھتے تھے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُنکے تمام کاروبار بند تھے، انہی لوگوں میں نائب السلطنت بھی تھے اور وہ اس رائے سے سخت برافروختہ تھے، ان سب نے جمع ہو کر علامہ موصوف کے پاس قاصد بھیجا تو انہوں نے کہا کہ "ہم ایک مجلس منعقد کرتے ہیں جس میں مسلمانوں کے بیت المال کے لئے تمہارا نیلام ہو گا اور اس طرح شرعی طریقہ سے تم لوگ آزاد ہو سکو گے،، اب اُنہوں نے بادشاہ کی طرف رجوع کیا اور بادشاہ نے نہایت غصّے کے ساتھ کہا کہ "علامہ کو اس معاملہ سے کوئی سروکار نہیں ہے" علامہ کو معلوم ہوا تو اُنہوں نے اپنا تمام اسباب ایک گدھے پر لادا اور چند گدھوں پر اپنے اہل و عیال کو سوار کرایا اور قاہرہ سے نکل کر شام کے ارادہ سے اُن کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئے، ابھی آدھی میل بھی نہ پہنچے ہونگے کہ اکثر مسلمان جن میں مرد، عورت، بچے، علماء، صلحاء اور تجار وغیرہ شامل تھے اُن سے جا ملے، بادشاہ کو جب یہ خبر پہنچی اور اس سے جب یہ کہا گیا کہ اگر وہ چلے گئے تو ساتھ ساتھ تمہاری سلطنت بھی چلی جائے گی، تو وہ خود سوار ہو کر

گیا اور اُن کو منا لایا، اُن کی واپسی کے بعد اب یہ متفقہ رائے قرار پائی کہ امراء پر نیلامی بولی جائے، نائب السلطنت کو یہ ذلّت گوارا نہ تھی، اُس نے پہلے نہایت نرمی کے ساتھ علامہ کے پاس قاصد بھیجا، لیکن اس کا کوئی مفید نتیجہ نہیں نکلا، اب وہ سخت جھلایا اور کہنے لگا کہ "یہ شیخ ہم کو کیونکر نیلام کر سکتا ہے؟ حالانکہ ہم زمین کے بادشاہ ہیں خدا کی قسم میں اپنی اس تلوار سے اُس کا سر اُڑا دوں گا" یہ کہہ کر تلوار ہاتھ میں کھینچے ہوئے اپنی جماعت کے ساتھ علامہ کے گھر پر آیا اور دروازے پر دستک دی، علامہ کے فرزند عبد اللطیف نکلے اور نائب السلطنت کو اس حالت میں دیکھ کر واپس گئے اور علامہ سے تمام کیفیت بیان کی، علامہ پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوا، اور انہوں نے فرزند سے کہا کہ "تیرے باپ کا یہ درجہ نہیں ہے کہ خدا کی راہ میں شہید کیا جائے" یہ کہہ کر نائب السلطنت کی طرف بڑھے، اور جونہی اُس پر اُن کی نگاہ پڑی، اُس کے ہاتھ شل ہو گئے، اُس سے تلوار گر پڑی، اور اُس کے جوڑ جوڑ کانپنے لگے اور اُس نے رو کر علامہ موصوف سے دُعا کی درخواست کی، اور کہا کہ "آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ بولے "میں بذریعہ نیلام کے تم کو فروخت کرنا چاہتا ہوں" اُس نے کہا "تو ہماری قیمت کس چیز میں صرف کی جائے گی" بولے "مسلمانوں کے عام فائدے کے کاموں میں" اُس نے کہا "قیمت کون لیگا؟" بولے "میں" اب معاملہ طے ہو گیا اور وہ خود باری باری کر کے امراء پر نیلامی بولی بولے، اُن کی نہایت گراں قیمت لی، خود اس پر قبضہ کیا اور بھلائی کے کاموں میں اُس کو صرف کیا،

علامہ کو دمشق سے لے کر مصر تک متعدد سلاطین سے سابقہ رہا، اور وہ سب کے ساتھ اسی آزادی اور دلیری کے ساتھ پیش آتے رہے، بعض موقعوں پر اُن کو قید خانے کی کڑیاں بھی جھیلنی پڑیں، لیکن اُن کا احترام ہر حالت میں یکساں قائم رہا، سب سے آخری بادشاہ جس سے علامہ موصوف کو سابقہ پڑا وہ ملک الظاہر بیبرس تھا

وہ علامہ کا اسقدر احترام کرتا تھا کہ جب تک انہوں نے خلیفہ مستنصر اور خلیفہ حاکم کے ہاتھ پر بیعت نہ کرلی اُس نے اُن کی بیعت کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا، علامہ موصوف نے اسی کے عہد سلطنت میں جمادی الاول ۶۶۰ھ میں وفات پائی جس کا اُس کو سخت صدمہ ہوا اور اُس نے پُرحسرت کہا کہ "علامہ کو میرے ہی زمانہ سلطنت میں مرنا تھا"، حالانکہ علامہ کا جو اثر عام لوگوں پر تھا اُس سے وہ مطمئن نہ تھا چنانچہ جب اُن کا جنازہ قلعہ کے نیچے سے گزرا اور اُس نے مخلوق کی کثرت دیکھی تو اپنے بعض خواص سے کہا کہ "آج میری سلطنت کو استحکام حاصل ہوا کیونکہ اگر علامہ لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کر دیتے تو سلطنت میرے ہاتھ سے نکل جاتی"[1]

---

[1] طبقات الشافعیہ جلد ۵ میں صفحہ ۸۰ سے صفحہ ۱۰۷ تک علامہ کے حالات نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں اور اُنکے فتاوے اور مناظرے وغیرہ نقل کئے ہیں ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ اُسی کا خلاصہ کر دیا ہے۔

امام فخر الدین رازی

علمائے اسلام میں امام رازی نے علمی حیثیت سے ایک شاہانہ زندگی بسر کی ہے، چنانچہ جب اُن کی سواری نکلتی تھی تو اُس کے ساتھ ساتھ تین سو شاگرد چلتے تھے، اُن کی مجلس درس میں بالکل شاہانہ وقار نظر آتا تھا وہ درس دینے بیٹھتے تھے تو اُن کے قریب اُن کے کبار تلامذہ مثلاً زین الدین الکشی، قطب مصری اور شہاب الدین نیشاپوری ہوتے تھے، اس کے بعد بقیہ تلامذہ اور دوسرے لوگ درجہ بدرجہ بیٹھتے تھے، اور ان میں جب کوئی شخص کوئی مسئلہ چھیڑتا تھا تو سب سے پہلے وہی کبار تلامذہ اُس سے بحث کرتے تھے، البتہ اگر کوئی مشکل پیش آجاتی تو خود امام رازی بھی اُس میں شریک ہو جاتے تھے، اور اُس کو نہایت خوبی کے ساتھ حل کر دیتے تھے،

اسلام میں زیادہ تر علماء یک فنی گذرے ہیں، لیکن امام رازی کو تمام علوم میں یکساں کمال حاصل تھا، اس لئے اطراف ملک سے ہر قسم کے شائقین علم اُن کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، اور باوجود اختلاف مذاق کے اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے تھے، درس و تدریس کے ساتھ واعظ و خطیب بھی تھے، اور منبر پر حکمت کے تمام اقسام کو بیان کرتے تھے، اس لئے عام و خاص دونوں پر اُن کا اثر قائم تھا، یہاں تک کہ خود خوارزم شاہ اُن سے ملنے کے لئے اُن کے مکان پر آتا تھا، اور دوسرے سلاطین بھی اُن کی نہایت عزت کرتے تھے شمس الدین محمد الوشار الموصلی کا بیان ہے کہ میں ۶۰۰ھ میں ہرات میں موجود تھا کہ وہاں امام رازی شہر بامیان سے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ آئے، اور وہاں کے بادشاہ حسین خرمین نے نہایت اعزاز کے ساتھ اُن کا استقبال کیا، اور مسجد جامع کے صدر ایوان میں اُن کے لئے ایک منبر نصب کیا،

اور بیٹھنے کے لئے ایک سجادہ بچھایا تاکہ ایک عام مجلس میں لوگ اُن کی زیارت سے شرف اندوز ہوں اور اُن کے کلام کو سُن سکیں، مَیں تمام لوگوں کے ساتھ خود اُس جلسے میں موجود تھا اور میرے پہلو میں شرف الدین بن عنیس شاعر تھے، اور جلسے میں نہایت کثرت سے لوگوں کا ہجوم تھا، امام فخرالدین کی نشست صدر ایوان میں تھی اور اُن کے دائیں بائیں اُن کے تُرکی غلاموں کی دو صف تلوار سے ٹیک لگائے ہوئے کھڑی تھی، اس کے بعد سُلطان حسین بن خرمیل شاہرات نے امام صاحب کے پاس آکر سلام کیا، اور امام صاحب نے اُس کو اپنے قریب بٹھالیا پھر سُلطان محمود ابن اخت شہاب الدین الغوری شاہ فیروز کوہ نے آکر امام صاحب کو سلام کیا، اور اُن کے ارشاد کے مطابق دوسری طرف اُنہیں کے قریب بیٹھ گیا، امام صاحب نے اس جلسے میں نفس پر ایک مطوّل اور فصیح تقریر کی، اسی حالت میں ایک باز نے ایک کبوتر کا تعاقب کیا، اور وہ اُڑتی ہوئی آئی اور امام صاحب کے پاس گر پڑی، اور باز کے پنجہ سے نجات پائی، شرف الدین ابن عنیس نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر امام صاحب کی مدح میں فی البدیہ دو شعر کہے جن کا مطلب یہ تھا کہ کبوتر سلیمان زمان (یعنی امام رازی) کے پاس فریاد لے کر آیا اور حالت یہ تھی کہ اُس کی موت باز کے دونوں پروں کے درمیان سے جھلکتی ہوئی نظر آتی تھی، کبوتر کو کس نے بتایا کہ آپ کا محل ایک خائف کے لئے حرم اور ملجا ہے، اور امام صاحب کے حکم سے اُسی جگہ سُنایا، امام صاحب نہایت محظوظ ہوئے، اُن کو اپنے قریب بٹھایا، اور وہاں سے اُٹھ جانے کے بعد اُس کے پاس ایک خلعت اور بہت سی اشرفیاں بھجوائیں اور ہمیشہ اُس کے ساتھ سلوک کرتے رہے، اور امام صاحب کے اثر سے شرف الدین نے بلاد عجم میں تقریباً ۲۰ ہزار دینار اور حاصل کئے،

امام صاحب کے جاہ و مال سے اُن کے خاندان نے بھی کافی فائدہ اُٹھایا،

امام صاحب کے بڑے بھائی رکن الدین ایک مختل الدماغ شخص تھے، اور اُنہوں نے یہ طریقہ اختیار کرلیا تھا کہ امام صاحب جہاں جاتے یہ بھی ساتھ جاتے، امام صاحب پرطعن وتشنیع کرتے، اور جو لوگ اُن کی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف ہوتے اُن کو احمق بناتے اور کہتے کہ "کیا میں اُن سے بڑا اور اُن سے زیادہ عالم نہیں ہوں؟ کیا میں اُن سے زیادہ علم خلاف اور علم اصول کو نہیں جانتا؟ تو پھر لوگ کیوں فخر الدین فخر الدین کہتے ہیں، رکن الدین رکن الدین نہیں کہتے"، غرض اس قسم کے حرکات سے وہ ضحوکہ روزگار بن گئے تھے، اور امام صاحب کو جب اس قسم کی باتیں معلوم ہوتی تھیں تو اُن کو سخت صدمہ ہوتا تھا اور اپنے بھائی کو اس حالت میں نہیں دیکھ سکتے تھے، اس بنا پر ہمیشہ اُن کے ساتھ سلوک کرتے رہتے تھے، ہمیشہ اُن کی خبر لیتے رہتے تھے، اور چاہتے تھے کہ وہ رے میں مقیم رہیں، لیکن اُن پر اس کا اثر بالکل اُلٹا پڑتا تھا، اور اپنی حالت میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں کرتے تھے، بالآخر امام صاحب کو جب خوارزم شاہ کے دربار میں رسوخ حاصل ہُوا تو اُنہوں نے اُن کا حال بیان کیا اور درخواست کی کہ اُن کی ضروریات کا سامان کرکے اُن کو کسی محفوظ مقام پر ہمیشہ کے لئے نظر بند کر دیا جائے، چنانچہ خوارزم شاہ نے اُن کو ایک قلعہ میں نظر بند کرکے اُن کی جاگیر مقرر کر دی جس کا سالانہ منافع ایک ہزار دینار تھا،

امام صاحب کی وفات کے بعد بھی اُن کی اولاد نے اُن کے جاہ واقتدار سے فائدہ اُٹھایا، امام صاحب نے دو لڑکوں کو چھوڑ کر وفات پائی تھی، جس میں بڑے کا لقب ضیاء الدین، اور چھوٹے کا شمس الدین تھا، ایک لڑکی بھی تھی جس کی شادی خوارزم شاہ کے وزیر علاء الملک سے ہوئی تھی، چنگیز خاں نے جب خوارزم شاہ کو مغلوب کرلیا تو علاء الملک نے اُس کے دامن میں جاکر پناہ لی اور اُس نے اُس کو اپنے خواص میں شامل کرلیا، لیکن یہ تاتاری سیلاب جب اسلامی شہروں کو تباہ وبرباد

کہ خود ہرات کی حفاظت تو نہ کر سکے، امام صاحب کی اولاد تھے جو
وہاں مقیم تھی، اس لئے چنگیز خاں نے اس درخواست کو قبول کر لیا، چنانچہ
جب اُس کی فوجیں ہرات میں داخل ہوئیں تو وزیر نے کہا کہ فخر الدین خطیب
کی اولاد کو امان ہے۔ اُن لوگوں کو چاہئے کہ کسی جگہ ایک الگ گوشے میں رہیں، ہرات
میں امام صاحب کو خوارزم شاہ نے جو مکان دیا تھا وہ نہایت وسیع، شاندار اور آراستہ
پیراستہ تھا، اُن کی اولاد کو جب امان ملی تو وہ اسی میں مقیم رہی، اور اُن کے اعزہ و اقارب
اعیان دولت، روساء شہر اور فقہاء وغیرہ بھی چونکہ اُن کے ساتھ تعلقات رکھتے تھے،
اس لئے وہ بھی اُن کے ساتھ شامل ہو گئے، اور اُن کے ساتھ اپنے آپ کو بھی محفوظ سمجھا،
لیکن تاتاری جب شہر میں داخل ہوئے اور خونریزی کرتے ہوئے امام صاحب کے مکان تک
پہنچے تو امام صاحب کی اولاد کو دیکھنا چاہا اور جب اُن کو دیکھا تو اُن کو اپنے ساتھ لے لیا
اس کے بعد تمام لوگوں کو تہ تیغ کر دیا، اور امام صاحب کی اولاد کو اپنے ساتھ ہرات سے
سمرقند میں لائے جہاں چنگیز خاں اور علاء الملک موجود تھے، لیکن باایں ہمہ جاہ و اقتدار
امام صاحب مختلف حیثیتوں سے فقرائے اسلام کے سلسلے میں داخل ہیں،

(۱) اولاً تو انہوں نے اپنی ابتدائی زندگی نہایت عُسرت و افلاس کے ساتھ بسر کی تھی،
چنانچہ خراسان پہنچے اور خوارزم شاہ کے دربار میں رسائی حاصل کرنے سے پہلے انہوں
نے نبوماذہ کو اپنا مرجع آمال بنایا تھا اور اسی غرض سے بخارا کا سفر کیا تھا لیکن اُن کو نبوماذہ
کے یہاں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور وہاں انہوں نے سخت تکلیفیں برداشت کیں،
چنانچہ داود طیبی تاجر کا بیان ہے کہ میں نے امام رازی کو بخارا کے بعض گمنام مدرسوں میں بیمار پایا
اور انہوں نے مجھ سے اپنی تنگدستی کی شکایت کی تو میں تاجروں سے مل کر اُن کے لئے مال کی زکوٰۃ
کا ایک حصّہ لیا اور اس کے ذریعہ سے امام صاحب کی اعانت کی،

(۲) لیکن اس تنگدستی اور فقر و فاقہ کی حالت میں بھی وہ علمی خدمات سے غافل نہیں رہے

چنانچہ بخارا جاتے ہوئے جب سرخس میں انہوں نے عبدالرحمٰن بن عبدالکریم السرخسی کے یہاں قیام کیا اور اُس نے مشارکت علمی کی بنا پر اُن کے ساتھ احسانات کیے تو انہوں نے قانون شیخ کے مشکل الفاظ کی شرح کی اور اُس کے احسانات کے صلے میں اُسکو اُسکے نام سے معنون کیا، [له]

(۳) اس عیش و عشرت اور جاہ و مال کے حاصل ہو جانیکے بعد بھی وہ کبھی علمی خدمات سے الگ نہیں ہوئے، فرماتے تھے کہ "کھانیکے وقت چونکہ میرا علمی مشغلہ جاتا رہتا ہے اسلئے مجھے اس پر افسوس ہوتا ہے کیونکہ وقت عزیز چیز ہے" انہوں نے باوجود اس منعمانہ زندگی کے جو کتابیں تصنیف کی ہیں اُنکی فہرست کئی صفحوں میں آسکتی ہے جن میں متعدد کتابیں کئی کئی جلدوں میں ہیں، تصنیف و تالیف کے علاوہ وعظ و پند اور درس و تدریس کا سلسلہ الگ تھا، اور یہ مشغلہ صرف ایک علم تک محدود نہ تھا، بلکہ وہ مختلف علوم میں کمال رکھتے تھے، اور لوگوں کو ان تمام علوم میں فائدہ پہنچاتے تھے،

(۴) موت کو ہمیشہ یاد کیا کرتے تھے، اور لقاء الٰہی کے متمنی رہتے تھے، انہوں نے وفات کے وقت ایک مفصل وصیت نامہ لکھوایا تھا جس کے چند فقرے یہ ہیں،

> مینے طرق کلامیہ اور مناہج فلسفیہ کو خوب جانچا لیکن جو فائدہ مجھ کو قرآن مجید سے پہنچا وہ ان سے حاصل نہیں ہوا کیونکہ وہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ تمام عظمت و جلال خدا کے لئے تسلیم کر لی جائے، اور شکوک و شبہات اور رد و قدح سے منع کرتا ہے، کیونکہ ان گہری گھاٹیوں میں عقول بشریہ گم ہو جاتی ہیں، اسلئے خدا کے وجوب، وحدانیت، وغیرہ کے متعلق جو کچھ دلائل ظاہرہ سے ثابت ہو جائے وہی میرا قول ہے، لیکن جس چیز میں دقت و غموض ہو اُس کے متعلق جو کچھ قرآن و حدیث میں وارد ہوا ہے، اور ائمہ نے اُس پر اتفاق کر لیا ہے وہی صحیح ہے [له]

[له] اخبار الحکماء قفطی صفحہ ۱۵۳ سطر ۵ ان حالات کے لئے دیکھو طبقات الاطباء و اخبار الحکماء تذکرہ امام رازی +

قاضی ابوالولید باجی

پہلے اندلس میں ابوالاصبغ، ابو محمد مکی، ابو شاکر اور محمد بن اسمٰعیل وغیرہ سے تعلیم حاصل کی اس کے بعد ۴۲۶ھ میں مشرق کا سفر کیا اور اس ملک کے مختلف شہروں میں ۱۳ سال رہ کر کسب علوم کرتے رہے، مثلاً حجاز میں تین سال تک قیام کیا، چار حج کئے اور مطوعی، ابوبکر بن سحتویہ، ابن محرز اور ابن محمود الوراق سے حدیث سنتے رہے؛ بغداد میں بھی تین سال تک رہے، اور حدیث و فقہ کی تکمیل کی؛ اسی طرح شام، موصل اور مصر میں رہ کر مختلف مذاہب کے علماء سے علوم دینیہ کی تحصیل کی، لیکن علوم و فنون کی یہ تحصیل و تکمیل سخت غربت و افلاس کی حالت میں کی، چنانچہ اندلس میں پہلے پہل آئے تو اپنی شاعری کو ذریعہ معاش بنانے پر مجبور ہوئے، سونے کا ورق کوٹ کر بھی ذریعہ معاش حاصل کرتے رہے، یہاں تک کہ تعلیم حاصل کرنے کو نکلتے تھے، تو اُن کے ہاتھ میں ہتھوڑے کے نشان اور داغ نظر آتے تھے، بغداد میں جب تک مقیم رہے نگہبانی کرکے روزی کماتے رہے، لیکن بعد کو جب اُن کے علمی فضل و کمال کا شہرہ ہوا تو رؤسا نے اُن کی قدردانی کی اور اُن کو قضاءت وغیرہ کے جلیل القدر عہدے دیئے؛ وہ رؤساء کے درمیان سفارت کی خدمات بھی انجام دیتے تھے؛ اور اُن کے عطایا و صلاحات کو قبول کرتے تھے، اس طرح اُنھوں نے بہت سی دولت حاصل کر لی اور مرے تو بہت بڑا مالی ذخیرہ چھوڑ کر مرے؛

رؤساء و امراء کے ساتھ بڑے بڑے علماء نے بھی قاضی ابوالولید کے فضل و کمال کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ قاضی ابو علی بن سکرہ کہتے ہیں کہ میں نے ہیبت اور توقیر مجلس میں اُن کا مثل نہیں دیکھا و جملہ الولید کیا اعرض سے ایک امام ہیں" فقیہ البر

بن خرم فرماتے ہیں کہ "مالکیہ بن قاضی عبدالوہاب کے بعد ابوالولید باجی کا مثل نہ تھا"
قاضی ابو بکر بن عربی نے اُن کو مجددین و مصلحین امت میں شمار کیا ہے، چنانچہ مغرب
میں جو شر و فتن واقع ہوئے اُن کے ذکر کے بعد ان الفاظ میں اُن کا تذکرہ کیا ہے،

جب بہت سی بدعتیں پیدا ہوئیں، علماء فنا ہوگئے، بدعتیوں کو فقہ کا منصب
حاصل ہوا اور اُن کے ساتھ جاہلوں کی توقعات کم ہوئیں، تو ان لوگوں نے
رسول اللہ صلعم کی پیشینگوئی کے مطابق بغیر علم کے فتوے دیا، اور اس طرح
خود گمراہ ہوئے اور لوگوں کو گمراہ کیا، ایک مدت تک یہ حالت قائم رہی
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بجز معدودے چند اشخاص کے علوم مر گئے، اور علم کی
موت اور جہالت کے غلبہ پر متواتر زمانے گذر گئے، اور پچھلوں نے
اس معاملے میں اپنے اگلوں کی تقلید کی، اس کے بعد یہ انقلاب پیدا
ہوا کہ امام مالک اور اُن کے اکابر اصحاب کے اقوال دیکھے جانے لگے
اور یہ کہا جانے لگے کہ اس مسئلہ میں اہل قرطبہ، اہل طلمنکہ، اہل صلبوۃ اور اہل
طلیطلہ نے یہ کہا ہے، اور سن شعور میں بچوں کی تعلیم و تربیت کا بہترین طریقہ
یہ قرار پایا کہ پہلے لوگ اُن کو قرآن پڑھواتے تھے، پھر علم ادب کی تعلیم
دیتے تھے، پھر موطا، پھر مدونہ، پھر وثائق ابن عطاء پڑھاتے تھے اس کے بعد
پھر کہا جاتا تھا کہ فلاں طلیطلی اور فلاں مجریطی اور ابن مغیث نے یہ کہا اس طرح
وہ دوبارہ پیچھے کو اُلٹا قدم رکھتا تھا اور برابر پیچھے ہٹتا جاتا تھا۔ اور اگر
خداوند تعالےٰ ایک گروہ کے ذریعہ سے جو علم کے شہروں میں پھیل گیا اور علم کا
مغز سے کر آیا مثلاً قاضی ابوالولید باجی اور ابو محمد اصیلی کے ذریعہ سے احسان نہ
کرتا جنہوں نے ان مُردہ قلوب پر علم کا پانی چھڑکا، اور قوم کی سانس کو معطر
کیا تو دین کا خاتمہ ہوگیا ہوتا لیکن خداوند تعالےٰ نے اپنی قدرت سے ان

لوگوں کے نفع سے ان لوگوں کے ضرر کی تلافی کردی اور تھوڑی بہت حالت سنبھل گئی،

اندلس میں ابن حزم ظاہری بہت بڑے شخص گذرے ہیں، اوّل اوّل قاضی ابوالولید اندلس میں گئے تو کوئی شخص ابن حزم ظاہری کا مدمقابل نہ تھا، فقہاء کی زبانیں بند ہوگئی تھیں، اُنھوں نے اپنی ہم خیال ایک مستقل جماعت پیدا کرلی تھی، جزیرہ میورقہ میں اُن کا اور بھی اثر قائم ہوگیا تھا اور وہاں کے رہنے والے اُن کے پیرو ہوگئے تھے، لیکن قاضی ابوالولید نے اندلس میں پہنچ کر اُن کے ساتھ متعدد مناظرے کئے، اور اُن کے کلام کی تردید کی، چنانچہ یہ تمام مناظرے قید تحریر میں لائے گئے،

قاضی ابوالولید نے نہایت کثرت سے کتابیں لکھی ہیں، مثلاً کتاب الاستیفاء فی شرح الموطا کتاب المنتقی فی شرح الموطا کتاب السراج فی علم الحجاج، کتاب المقتبس من علم مالک بن انس، کتاب المهذب فی اختصار المدونہ، کتاب شرح المدونة، کتاب اختلاف الموطا، کتاب احکام الفصول فی احکام الاصول، کتاب الحدود فی اصول الفقہ کتاب التشدید الی معرفۃ طریق التوحید، کتاب تفسیر القرآن، کتاب فرق الفقہاء، کتاب الناسخ و المنسوخ کتاب السنن فی الرقائق والزھد والوعظ وغیرہ وغیرہ،

قاضی ابوالولید نے رجب ۴۷۴ھ میں بمقام مریہ وفات پائی، سمندر کے کنارے رباط میں مدفون ہوئے اور اُن کے بیٹے ابوالقاسم نے نماز جنازہ پڑھائی، سن ولادت ۴۰۳ھ تھا[1]۔

---

[1] الدیباج المذہب صفحہ ۱۲۰-۱۲۱-۱۲۲۔

بنو موسیٰ بن شاکر

موسیٰ بن شاکر مامون کے زمانے میں ایک نہایت مشہور ڈاکو تھا جو محلے کی مسجد میں اپنے پڑوسیوں کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر راہزنی کے لئے نکل جاتا تھا اور خراسان کے دُور دراز راستوں میں جا کر ڈاکے ڈالتا تھا اور پھر پلٹ کر صبح کی نماز اسی مسجد میں پڑھتا تھا، اُس نے بار بار اس قسم کی وارداتیں کیں تو گرفتار ہُوا لیکن نمازیوں کی جماعت نے شہادت دی کہ وہ رات کے اوّل و آخر دونوں حصّوں میں باجماعت اُن کے ساتھ نماز پڑھتا ہے اس لئے اُس کی حالت مشتبہ ہوگئی، اور وہ سزا نہ پاسکا اس کے بعد اُس نے اِس جُرم سے توبہ کی اور تین اولاد چھوڑ کر مرگیا جو تاریخ اسلام میں بنو موسیٰ بن شاکر کے لقب سے مشہور ہیں، اور علم ریاضی یعنی علم ہندسہ، علم الحیل، موسیقی اور نجوم وغیرہ کے بہت بڑے ماہر خیال کئے جاتے ہیں حیل بنو موسیٰ اُن کی مشہور کتاب ہے، اور اس کے علاوہ ان علوم میں ان لوگوں نے بہ کثرت کتابیں لکھی ہیں، اور قدیم علوم و فنون کی جستجو و تحقیقات میں اپنی جان و مال دونوں کو بیدریغ صرف کیا ہے، چنانچہ علاّمہ جمال الدین قفطی اخبار الحکماء میں لکھتے ہیں کہ

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے علوم قدیمہ کی جستجو میں انتہائی کوششیں کیں، اُن کے لئے مال و دولت کو صرف کیا، اپنی جانوں کو اُن کے لئے ہلاکت میں ڈالا اور روم کے شہروں میں ایسے لوگ روانہ کئے جو اُن علوم کو وہاں سے نکال کر اُن کے پاس لائے، اور ان لوگوں نے اُن کے نقل و ترجمہ کے لئے دُور دُور سے گرانقدر معاوضہ پر مترجمین بلوائے اور حکمت کے عجائبات کو ظاہر کیا۔[1]

[1] اخبار الحکماء صفحہ ۲۰۸ ذکر موسیٰ بن شاکر۔

ان میں سب سے بڑا بھائی ابو جعفر محمد تھا جس کو ہندسہ اور نجوم میں کمال حاصل تھا اور اقلیدس اور مجسطی کا بہت بڑا عالم تھا، وہ ہمیشہ نجوم، ہندسہ، عدد اور منطق کی کتابوں کے جمع کرنے میں مصروف رہتا تھا اور اس کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرتا تھا، دوسرا بھائی احمد اگرچہ اپنے بڑے بھائی کے درجہ کو نہ پہنچ سکا تاہم اُس کو علم الحیل میں اُس سے زیادہ مہارت حاصل تھی اور خود قدماء میں جو لوگ اس فن کے اُستاد تھے مثلاً ایرن وغیرہ اُن پر بھی گوئے سبقت لے گیا تھا، تیسرے بھائی حسن کو صرف ہندسہ میں کمال حاصل تھا اور اُس نے اُس میں صرف ذاتی طور پر مہارت حاصل کی تھی اور اس فن میں اقلیدس کی کتاب کے چھ مقالوں کے سوا اور کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی، لیکن اُس کا حافظہ نہایت قوی تھا اور قوت تخیلی نہایت حیرت انگیز تھی، چنانچہ اُس نے اس فن میں متعدد مسائل ایجاد کئے تھے اور ہمیشہ اُسی اُدھیڑ پن میں مصروف رہتا تھا یہاں تک کہ عین محفل میں وہ اس میں اسقدر مستغرق ہو جاتا تھا کہ لوگوں کی باتیں بالکل نہیں سُنتا تھا، اُس کا خود بیان ہے کہ "ایک بار میں ایک طویل غور و فکر کے بعد چونکا تو مجھے معلوم ہُوا کہ دُنیا میری آنکھوں میں اندھیری ہو گئی، گویا مَیں غش میں ہوں، یا خواب دیکھ رہا ہوں، لیکن بنو موسیٰ کے اس علمی ذوق کی ابتدا فقر و فاقہ سے ہوئی؛ اور آخیر میں دولت وجاہ نے اس کی تکمیل کی، کیونکہ ان کا باپ کوئی دولتمند اور صاحب جاہ شخص نہ تھا بلکہ ایک مدت تک اُس نے راہزنی کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا، اس کے بعد اس سے توبہ کی اور ان تینوں کو بچپن ہی کی حالت میں چھوڑ کر مر گیا، تاہم چونکہ ایک مدت تک مامون رشید کی صحبت میں بھی رہ چکا تھا اس لئے اُس کے مرنے کے بعد مامون نے اُس کا حق صحبت ادا کیا اور ان تینوں کو اسحاق بن ابراہیم منعبی کی نگرانی میں یحییٰ بن ابی منصور کے ساتھ بیت الحکمت میں رکھا اور وہیں ان سب نے اپنے علمی ذوق کو ترقی دی،

اگرچہ ماموں رشید کو ان کا اس قدر خیال تھا کہ اسحاق بن ابراہیم سے ہمیشہ اُنکے حالات دریافت کرتا رہتا تھا، یہانتک کہ اُنھوں نے خود یہ کہدیا کہ "مامون نے مجھ کو اولاد شاکر کی دایہ بنا رکھا ہے" بااینہمہ اُن کی حالت نہایت ابتر اور اُن کا وظیفہ نہایت کم تھا، اس کے بعد ان لوگوں نے مالی حیثیت سے بہت زیادہ کامیابیاں حاصل کیں چنانچہ محمدؐ فوج کا سپہ سالار ہوگیا اور اُس کی آمدنی چار لاکھ دینار سالانہ تک پہنچ گئی۔ اُس کے بھائی احمد کی سالانہ آمدنی بھی ستر ہزار دینار تھی، اس حالت میں اگرچہ ذاتی طور پر اُن کی علمی سرگرمیوں کا دور ختم ہوگیا، تاہم یہ لوگ صرف روپیہ خرچ کرکے اپنے علمی شوق کو پورا کرنے لگے"[1]

---

[1] اخبار الحکماء قفطی تذکرہ بنو موسیٰ بن شاکر۔

حافظ حجاج بن شاعر

بہت بڑے محدث اور محتاط تھے، طالب العلمی کا زمانہ نہایت عسرت کے ساتھ بسر کیا تھا، اُن کا خود بیان ہے کہ "میں طلب علم کے لئے نکلا تو میری ماں نے سَو روٹیاں پکا دیں جن کو میں نے توشہ دان میں بھر لیا اور شبابہ کی خدمت میں حاضر ہُوا، اور سَو دن اُن کے یہاں قیام کیا، روزانہ ایک روٹی کو دجلہ کے پانی میں بھگو کر کھا لیتا تھا، اور جب وہ ختم ہو گئیں تو وہاں سے روانہ ہو گیا"[۱]

حافظ ابن مقری محدث اصفہان

علمی سفر کے لئے تمام دُنیا کی خاک چھان ڈالی تھی، اُن کا خود بیان ہے کہ "میں نے چار بار شرق و غرب کا سفر کیا صرف ابن فضالہ کے نسخے کے لئے ستر منزلیں طے کیں حالانکہ اگر اُس کو ایک نانبائی کو ایک روٹی کے بدلے میں بھی دیتا تو وہ نہ قبول کرتا، دس بار بیت المقدس میں گیا، چار حج کئے اور مکہ میں ۲۵ ماہ تک قیام کیا" اثنائے سفر میں بعض اوقات سخت عسرت کا سامنا کرنا پڑا چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ "ہم، اور طبرانی اور ابوالشیخ مدینہ میں سخت تنگدستی میں مبتلا ہو گئے، دن گذر گیا تو رات کو عشاء کے وقت میں قبر نبویؐ کے پاس آیا اور کہا کہ "یا رسول اللہ بھوک" طبرانی نے مجھ سے کہا کہ "اب بیٹھو یا تو روزی آئیگی، یا موت" لیکن ہم اور ابوالشیخ اُٹھ کھڑے ہوئے اور دروازے پر ایک علوی آیا ہم نے اُس کے لئے دروازہ کھولا تو دو غلام بہت سا سامان لئے ہوئے

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۳۰ ؎

اُس کے ساتھ تھے اُس نے کہا "تم لوگوں نے رسول اللہ صلعم سے میری شکائت کی تو میں نے آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کی خدمت میں کچھ چیزیں حاضر کروں[۱]"

امام برقانی

ہمہ تن خدمت علم میں مصروف رہتے تھے، مرتے دم تک تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا، گھر میں کتابیں بھری رہتی تھیں اُنہوں نے خود ایک فقیہ سے فرمایا کہ "دعا کرو کہ میرے دل سے علم حدیث کا شوق جاتا رہے کیونکہ اُس کی محبت مجھ پر غالب ہو گئی ہے اور اُس کے سوا اور میرا کوئی مشغلہ نہیں ہے" لیکن یہ جنس گرانبہا اُن کو سخت مصائب کے بعد حاصل ہوئی تھی، چنانچہ اُن کا خود بیان ہے کہ "میں اسفرائن میں گیا تو میرے پاس صرف تین دینار اور ایک درہم تھا، دینار تو راستے ہی میں گم ہو گئے، صرف درہم رہ گیا جس کو میں نے نانبائی کے حوالے کیا جس کے بدلے میں روزانہ دو روٹیاں لے لیتا تھا اور احمد بن بشر کے یہاں سے ایک جزو لے آتا تھا اور شام تک اُس کو لکھ لیتا تھا اس طرح ۳۰ جزو لکھ چکا تو وہ درہم ختم ہو گیا اور میں وہاں سے چل دیا[۲]"

حافظ ابن الکماد

مغرب کے محدث ہیں، تقریباً ۵۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۶۳ھ ہجری میں وفات پائی، علم حدیث، تاریخ، رجال اور جرح و تعدیل کے بڑے عالم تھے، اور اختلافات

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۱۸۳ [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۲۷۵

فقہاء سے بھی کامل واقفیت رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ اہل حدیث اور اہل فقہ دونوں فرقوں کی طرف میلان رکھتے تھے، اُن کے ذریعہ معاش کے متعلق علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں،

وکان عیشہ من نفقۃ الاخوان و ھدایاھم۔ — اُن کی زندگی احباب کی کفالت اور اُن کے ہدیوں پر بسر ہوتی تھی،

لیکن اس طرز معاش نے اُن میں کسی قسم کا مذہبی وھن وضعف نہیں پیدا کیا تھا بلکہ منکرات و بدعات کے استیصال میں نہایت دلیر تھے، یہی وجہ ہے کہ جب ابو نعیم ابن راضیہ واعظ مشرق سے پلٹ کر اندلس میں آئے اور وعظ کا وہ طریقہ جاری کیا جسنے آج وعظ و پند کے اثر کو زائل کرکے اُس کو ایک کھیل تماشا بنا دیا ہے، یعنی یہ کہ وعظ میں خوش الحانی کے ساتھ اشعار پڑھنا شروع کئے، اور اُن کے سامنے سکھاتے پڑھاتے قراء نے تلاوت شروع کی تو چونکہ یہ طریقہ عام پسند تھا عوام میں اُس کو نہایت حسن قبول حاصل ہوا، لیکن حافظ ابن الکماد نے اس کو سلف صالحین کی روش کے مخالف سمجھ کر اُن پر نہایت سختی کے ساتھ بار بار اعتراضات کئے، اور سلف کے نمونے پر خود وعظ کہنا شروع کیا اور تادم مرگ اس شغلہ کو قائم رکھا، یہی وجہ ہے کہ وہ واعظ کے لقب سے بھی مشہور ہیں،

اُن کے وعظ کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے حدیث بیان کرتے تھے، پھر موقع و محل کے مناسب اُن حدیثوں کے متعلق جو فقہی نکات اور اختلافات ہوتے تھے، اُنکی تشریح کرتے تھے۔[1]

ابو عبداللہ محمد الصقلی

ادب اور تفسیر میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، مقامات حریری کی شرح اور

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۲۵۰

درۃ الغواص پر حاشیہ لکھا لیکن باوجود علم و فضل کے تادم مرگ مفلوک الحال رہے، ضرورت نے یہاں تک مجبور کیا کہ اپنی لڑکی کا نکاح ایک غیر کفو شخص کے ساتھ کر دیا اور اُس نے لڑکی کو ساتھ لیجا کر ایک دوسرے شہر میں فروخت کر دیا ۵۷۵ھ میں وفات پائی [۱]

ابن خیاط

مشہور شاعر اور صاحب دیوان تھا، مختلف ممالک کا سفر کیا اور متعدد لوگوں کی مدح کی، ایک بار سخت غربت و فلاکت کی حالت میں حلب پہنچا تو مشہور شاعر ابن جبوس کو دو شعر لکھ بھیجے جس کا مطلب یہ تھا کہ "میرے پاس کوئی چیز اتنی بھی نہیں کہ میں اُس کو ایک دانے پر فروخت کر سکوں، اب تک میں نے صرف آبرو کو محفوظ رکھا تھا لیکن آج اُس کو بھی فروخت کرتا ہوں" اُس نے ۵۱۷ھ میں وفات پائی [۲]

حافظ محمد بن داؤد شیخ الصوفیہ

خراسان، حجاز، شام، مصر اور موصل میں متعدد شیوخ مثلاً محمد بن عمر و قشمرد، محمد بن ابراہیم، ابن الضریس اور نسائی وغیرہ سے حدیثیں سنیں، اور حاکم، ابن مندہ، ابن جمیع اور ابو زکریا المزکی وغیرہ نے اُن سے روائتیں کیں،

محدث ہونے کے ساتھ اُن کا شمار اولیاء میں بھی تھا، ۳۴۲ھ میں وفات پائی،

جس عسرت کے ساتھ اُن کو بعض اوقات زندگی بسر کرنی پڑی اُس کے متعلق اُن کا خود بیان ہے کہ "جب بصرہ میں قحط پڑا تو میں نے چالیس دن میں صرف ایک روٹی کھائی"

---

[۱] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۱۰۳ [۲] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۱۰۹

اور جب مجھے بھوک معلوم ہوتی تھی تو آسودگی کی نیت سے سورہ یٰسین پڑھ لیا کرتا تھا"
علامہ ذہبی نے اُن کی روایت سے صرف ایک حدیث نقل کی ہے جو اُن کے مناسب حال ہے یعنی یہ کہ

ان کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ کسب حلال فرض کے ادا کرنے کے بعد فرض ہے

امام ابو سہل صعلوکی

۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے اور ذو لقعدہ ۳۶۹ھ میں وفات پائی، مختلف علوم مثلاً فقہ، نحو، تفسیر، لغت، شعر، عروض کلام وغیرہ کے امام تھے، اور تصوف کا بھی ذوق رکھتے تھے، اوّل اوّل ۳۰۵ھ میں سماعت حدیث شروع کی اور مختلف شیوخ سے حدیثیں سُنیں، ابو اسحاق مروزی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور ۳۱۷ھ تک اس قابل ہو گئے کہ وزیر ابو الفضل بلعمی کی مجلس میں مناظرہ کیا اور کامیاب رہے، اس کے بعد ۳۲۲ھ ہجری میں عراق گئے اور بصرہ میں مدتوں درس دیا پھر نیشاپور میں آئے اور مدتوں درس و فتوے دیتے رہے، ابو اسحاق شیرازی کا بیان ہے کہ "فقہاء نیشاپور نے فقہ اُنہیں سے سیکھی ہے" پہلے حدیث کے درس دینے سے انکار کرتے تھے، لیکن بعد کو حدیث کا درس دینا بھی شروع کیا، علم و فضل کی دولت اور فقر و تصوف کی لذت نے دُنیوی مال و متاع کو اُن کی نگاہ میں نہایت حقیر کر دیا تھا، فرماتے تھے کہ "میں نے کسی چیز کو باندھ کر رکھا، نہ میرے پاس تالا کنجی تھا، نہ چاندی سونے کو تھیلی میں رکھا" بعض اوقات پہننے کے معمولی کپڑے بھی نہیں ہوتے تھے، ایک بار جاڑے کے ایام میں ایک شخص سے جبہ مانگنے کی ضرورت پیش آئی، درس دینے کو نکلتے تھے اور پہننے کے لئے جبہ نہیں ہوتا تھا تو عورتوں کا جبہ

لہ تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۱۱۶۔

پہن لیا کرتے تھے، یہانتک کہ ایک بار ایران سے ایک وفد آیا جس میں فقہ علم کلام اور نحو غرض ہر فن کے ائمہ شامل تھے، سپہ سالار فوج نے ان کو استقبال کا حکم دیا تو اُنہوں نے عورتوں کے اسی جُبّے کے اوپر ایک کُرتا پہن لیا، سپہ سالار کو معلوم ہُوا تو اُس نے کہا کہ "شہر کا امام مجھ کو ذلیل کرے گا، عورتوں کے جُبّے میں استقبال کو جاتا ہے" لیکن اُنہوں نے مناظرہ کیا تو ہر فن میں غالب رہے[۱]،

حافظ یعقوب بن سفیان

مختلف ممالک کے سفر کئے، اور بہ کثرت علماء سے حدیثیں سُنیں، ترمذی اور نسائی نے اُن سے حدیثیں روایت کی ہیں، اور اُن کو مستند قرار دیا ہے، معمولاً زیادہ تر راتوں کو حدیثیں لکھا کرتے تھے، چونکہ خرچ کی تنگی تھی اس لئے اس میں عجلت سے کام لینا چاہا، تاکہ جلد وطن کو واپس جاسکیں، اس خیال سے ایک روز رات بھر متصل لکھتے رہے، نتیجہ یہ ہُوا کہ آنکھوں میں پانی اُتر آیا اور غُربت و افلاس کی وجہ سے ایک دوسری مصیبت کا سامنا کرنا پڑا، اب فوت علم اور مفارقت وطن پر زار و قطار رونا شروع کیا، اسی حالت میں سوئے تو رسول اللہ صلعم کو خواب میں دیکھا کہ آپ رونے کی وجہ دریافت فرماتے ہیں، بولے "یا رسول اللہ میری آنکھیں جاتی رہیں، اس لئے مجھے یہ افسوس ہے کہ آپکی حدیثیں نہ لکھ سکوں گا اور اپنے وطن کو واپس نہ جا سکوں گا" یہ سُنکر آپ نے اُن کو قریب بُلا لیا اور دونوں آنکھوں پر ہاتھ پھیرا گویا یہ معلوم ہُوا کہ آپ اُن پر کچھ پڑھ کر دم کر رہے ہیں، جاگے تو آنکھیں روشن تھیں اب پھر چراغ کی روشنی میں لکھنا شروع کر دیا،

---

[۱] طبقات الشافعیہ سبکی جلد ۲ صفحہ ۱۶۱-۱۶۲۔

اُنہوں نے تقریباً ۲۸۰ھ میں وفات پائی [۱]

قاضی عبدالوہاب بن نصر بغدادی

۳۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور مختلف شیوخ سے حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی، مختلف مقامات کے قاضی بھی رہے، آخیر عُمر میں مصر میں مالکی مذہب کے قاضی مقرر ہوئے اور اسی حالت میں وفات بھی پائی، لیکن جب تک بغداد میں رہے نہایت فقروفاقہ کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے، مجبوراً اُس کو چھوڑ کر مصر کا رُخ کیا، لیکن باوجود اس غُربت وافلاس کے اُن کی علمی عزت میں کسی قسم کا فرق نہیں آنے پایا، چنانچہ جب وہ بغداد سے مصر کو روانہ ہوئے تو ایک جم غفیر نے جن میں اکابر بغداد اور طلبائے حدیث وغیرہ شامل تھے اُن کی مشایعت کی، ان پر بھی بغداد کی جدائی شاق تھی اور ان لوگوں کی عزت ومحبت کا اثر پڑ رہا تھا، اس لئے اُن کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "اگر مجھ کو تمہارے درمیان شام وصُبح صرف دو روٹیاں ملتی رہتیں تو میں تمہارے شہر کو نہ چھوڑتا"، اس کے بعد بغداد کی جُدائی میں چند حسرت ناک شعر پڑھ کر مصر کی طرف روانہ ہوگئے، مصر پہنچے تو اُن کی تقدیر نے پلٹا کھایا اور اب وہ عزت، شہرت اور دولت وثروت ہر حیثیت سے مالامال ہوگئے، اور وہاں مالکی مذہب کے قاضی مقرر ہوئے، لیکن یہ تمام کامیابیاں اس مصرع کا مصداق ثابت ہوئیں،

عید ہوئی ذوق مگر شام کو

کیونکہ وہ مصر میں پہنچنے کے چند ہی روز بعد ۴۲۲ھ میں وفات پا گئے، جس کا اُن کو خود بھی افسوس تھا، چنانچہ اپنے مرض الموت میں خود فرمایا کہ "جب ہم زندہ

---

[۱] نکت الھمیان صفحہ ۳۱۲ +

ہوئے تو مر گئے۔[۱]

امام سہیلی

سیرۃ نبوی میں مشہور کتاب "روض الانف" کے مصنف ہیں، اس کے علاوہ اور بھی متعدد کتابیں لکھی ہیں، شاعر بھی تھے، اور لغت و عربیت میں کمال رکھتے تھے۔

لیکن ان تمام فضائل کے ساتھ جب تک اپنے وطن میں رہے نہایت غربت و افلاس کی زندگی بسر کرتے رہے، چنانچہ شاہ مراکش کو جب اُن کا حال معلوم ہُوا تو اُس نے اُن کو مراکش میں بلا کر نہایت عُمدہ سلوک کیا اور اُن کی طرف کافی توجہ مبذول کی، وہاں اُنھوں نے تین سال تک قیام کیا اور وہیں ۵۸۱ھ میں ۷۲ سال کی عُمر میں وفات پائی، فقر و فاقہ کے ساتھ اندھے بھی تھے۔[۲]

طلحہ بن محمد

جمادی الاوّل ۶۱۰ھ میں پیدا ہوئے، اور ۶۴۲ھ یا ۶۴۳ھ یا ۶۴۴ھ یا ۶۴۵ھ میں بمقام اشبیلیہ وفات پائی، تمام علوم ادبیہ مثلاً نحو اور عروض وغیرہ کے ماہر تھے، اور متعدد ائمہ سے فن حدیث کی بھی تکمیل کی تھی، اپنے شیوخ کی زندگی ہی میں عربیت کا درس دینا شروع کر دیا تھا اور بیس۲ ہی سال کے سن میں لوگ اُن سے اجازت لینے لگے تھے، سخت محتاج اور بے سر و سامان تھے، لیکن باوجود اس فقر و فاقہ کے اشاعت علم میں نہایت صبر کے ساتھ مصروف رہے۔[۳]

---

[۱] الدیباج المذہب صفحہ ۱۵۹ [۲] الدیباج المذہب صفحہ ۱۵۱ [۳] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۲۷۳

سعید بن محمد

تمام علوم ادبیہ مثلاً نحو، لغت، قافیہ، اور عروض کے بہت بڑے ماہر تھے، دیوان متنبی کی شرح بھی لکھی تھی لیکن جس قدر ان کمالات سے اُن کا دامن لبریز تھا اُسی قدر درہم و دینار سے اُن کا دامن خالی تھا ۴۸۵ھ میں وفات پائی،[1]

علامہ ابو اسحاق جنبیانی

ابو اسحاق کنیت اور ابراہیم نام ہے، باپ کا نام احمد بن علی تھا، اُن کے آباؤ اجداد قیروان کے زمیندار تھے، علامہ ابو اسحاق کو اختلاف علماء پر نہایت عبور تھا، خواب کی تعبیر بہت اچھی بتاتے تھے، لغت اور عربیت سے بھی ناواقف نہ تھے، قرآن نہایت عمدہ پڑھتے تھے، اُس کی تفسیر خوب کرتے تھے، اور ناسخ و منسوخ سے بہت اچھی طرح واقف تھے، درس و تدریس میں ہمیشہ رات کو بھی مصروف رہتے تھے، البتہ موت سے چند دن پہلے جب ضعف غالب ہو گیا تو اس مشغلہ کے چھوڑنے پر مجبور ہوئے، فتوے نہیں دیتے تھے البتہ جب کوئی شخص ایسی بات کہتا جو خلاف شریعت ہوتی یا کوئی شخص نماز میں غلطی کرتا تو اُس کو ٹوک دیتے تھے، باوجودیکہ فقر و فاقہ اور زہد و ریاضت سے اُن کا چہرہ خشک اور رنگ سیاہ ہو گیا تھا، لیکن ہیبت کا یہ عالم تھا کہ جو شخص اُن کو دیکھ لیتا تھا اُس کو خدا یاد آجاتا تھا، اکثر خاموش رہتے تھے لیکن جب بولتے تھے تو صرف حکمت کی باتیں اُن کی زبان سے نکلتی تھیں، بالخصوص تین فقرے تو گویا اُن کا

---

[1] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۲۵۲

تکیہ کلام تھے "اپنی اتباعِ شریعت کرو" "بدعت سے محترز رہو" "خاکساری کرو، اونچے نہ بنو" تمام علماء کو اُن کے علم و فضل کا اعتراف تھا ابو الحسن قابسی فرماتے تھے کہ "جبتیانی قابل تقلید امام ہیں" ابو محمد بن ابی زید اُن کی نہایت عزت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "ابو اسحاق اپنی طرز میں منفرد ہیں اسوقت اُن کے راستے پر کوئی نہیں چلتا"

سات لڑکے جن میں سب کے سب نیک اور پرہیزگار تھے چھوڑ کر نوّے سال کے سن میں ۳۶۹ھ میں وفات پائی، لیکن ان کے علاوہ اُن کے ترکے میں ایک ٹوٹے ہوئے گھڑے میں صرف تھوڑے سے جَو ملے[۱]

حافظ محمد بن حارث

قیروان کے رہنے والے تھے، لیکن اندلس میں پہنچ کر قرطبہ میں قیام کر لیا تھا اور حکم بن عبدالرحمان کے دربار میں اُن کو نہایت رسوخ حاصل ہو گیا تھا، چنانچہ اُس کے لئے متعدد کتابیں، مثلاً کتاب الاتفاق والاختلاف فی مذہب مالک، کتاب التقیا، کتاب تاریخ الاندلسیین کتاب تاریخ الافریقیین، اور کتاب النسب وغیرہ تالیف کی تھیں بہت بڑے شاعر بھی تھے، اور مستنصر کے لئے شعر دیوان مرتب کئے تھے، لیکن اُن کا یہ جاہ و جلال صرف حکم کی ذات تک قائم رہا، اُس کی وفات کے بعد اسقدر مفلس ہو گئے کہ دُکانوں میں بیٹھ کر تیل فروخت کرنے لگے[۲]

معافی بن زکریا ابو الفرج نہروانی

۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۹۰ھ میں وفات پائی،

[۱] الدیباج المذہب صفحہ ۹۶ [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ثالث صفحہ ۲۰۹

علامہ ذہبی نے ان کو تذکرۃ الحفاظ میں حافظ، علامہ، ذوالفنون مفسر، اور صاحب الکتب کے القاب کے ساتھ یاد کیا ہے، علامہ بغوی، ابن ابی داؤد، ابن صاعد، ابو حامد حضرمی، ابو سعید عدوی اور محاملی وغیرہ سے حدیثیں سنیں اور ابن شنبوذ وغیرہ سے قرآۃ پڑھا، احمد بن مسرور، خباز اور ابو ثعلب الحم نے اُن سے تعلیم حاصل کی اور ابو القاسم ازہری، ابو الطیب الطبری، اور احمد بن عمر بن روح وغیرہ نے اُن سے روایت کی، حدیث کے علاوہ، فقہ، نحو، لغت اور علم ادب کے بھی بڑے عالم تھے، باب الطاق کے قاضی بھی رہ چکے ہیں، تمام بڑے بڑے علماء اُن کے علم و فضل کے معترف تھے، فقیہ ابو محمد باقی کا قول تھا کہ "جب قاضی ابو الفرج آجائیں تو سمجھو کہ کُل علوم آگئے" اُن کا یہ بھی قول تھا کہ "اگر کوئی شخص سب سے بڑے عالم کے لئے اپنے ثلث مال کی وصیت کرے تو وہ مال صرف معافی کو ملے گا" خطیب نے برقانی سے اُن کے متعلق سوال کیا تو بولے کہ "بہت بڑے عالم اور ثقہ تھے مَیں نے خود اُن سے حدیث نہیں سُنی" ان تمام فضائل کے ساتھ مال و دولت سے بہت کم حصہ پایا تھا، چنانچہ توحیدی کا بیان ہے کہ میں نے اُن کو جامع رصافہ میں سوئے ہوئے دیکھا، سردی کا دن تھا، سورج کی طرف اُن کی پُشت تھی اور سخت غربت و فلاکت کا اثر نمایاں تھا میں نے کہا کہ صبر کیجئے کیونکہ آپ خدا کے سامنے ہیں، اور علم کا شرف اور مال کی عزت دونوں خدا نے کسی کو نہیں دیں" بولے دُنیا کی ضروری چیزوں سے تو چارہ نہیں، اس کے بعد چند حسرتناک و عبرتناک انگیز اشعار پڑھے، لیکن بایں ہمہ نہایت خودداری کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے[1]

حافظ ابو الفضل جارودی ہروی

حامد بن محمد الرفاء، محمد بن عبداللہ اسلیطی اور ابو اسحاق قراب وغیرہ سے حدیثیں سُنیں

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۲۱۸ و بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۳۹۴

اور طلب حدیث میں بڑے لمبے چوڑے سفر کئے، خود اُن سے ابو عطاء بن عبد الواحد ایلحی، شیخ الاسلام عبد اللہ بن محمد اور اہل ہراۃ نے روایت کی ہے، اور شیخ الاسلام عبد اللہ بن محمد اُن سے ان الفاظ میں روایت کرتے تھے کہ "ہم کو امام اہل مشرق ابو الفضل جارودی نے خبر دی" تمام علماء اُن کے علم و فضل کے معترف تھے، ابو نصر قامی کا قول تھا کہ "وہ تمام علوم بالخصوص حفظ حدیث میں بے مثل ہیں" اُن کا خود بیان ہے، کہ "میں طبرانی کے پاس سفر کر کے گیا تو انہوں نے مجھے اپنا مقرب بنا لیا لیکن روایت حدیث میں بخل سے کام لیتے تھے، میں نے کہا کہ آپ مجھ سے روایت میں بخل کرتے ہیں اور دوسروں پر اپنا خزانہ لٹاتے ہیں، بولے اس کی وجہ یہ ہے کہ تم اس فن کی قدر خود جانتے ہو"

اہل ہرات کو اُن کی ذات سے خصوصیت کے ساتھ فوائد پہنچے، چنانچہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اہل ہرات کو احادیث سے اخذ فوائد، اور رجال کے حالات کی تشریح و تصحیح کا طریقہ بتایا ان تمام فضائل کے ساتھ دُنیوی مال و دولت سے بہت کم حصہ پایا تھا، اور نہایت زہد و تورع اور خود داری کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے شوال ۴۱۳ھ میں وفات پائی[1]

نضر بن شمیل بصری

مشہور شاعر اور ادیب تھے، عربیت کی تکمیل خلیل سے کی تھی، خود اہل عرب سے بھی فائدہ اُٹھایا تھا اور ۴۰ سال تک بدؤں میں زندگی بسر کی تھی، لغت و عربیت کے ساتھ علم حدیث کے بھی بہت بڑے ماہر تھے، اور سب سے پہلے مرو اور خراسان میں

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۲۵۶

اُنہیں نے علم حدیث کی اشاعت کی تھی، پہلے بصرہ میں رہتے تھے جو ان علوم کا مرکز تھا، لیکن غربت و افلاس سے تنگ آکر وہاں سے سفر کرنے پر مجبور ہوئے، اُن کے اصحاب میں سات سو آدمیوں نے مشایعت کی اور اُن کی جُدائی پر رونے لگے اُنہوں نے کہا کہ "اگر روزانہ مجھے ایک ربع باقلاء بھی ملا کرتا تو میں تم سے الگ نہ ہوتا" غالباً یہ لوگ بھی مفلوک الحال تھے، کیونکہ راوی کو تعجب ہے کہ اتنے بڑے مجمع میں جس کو اُن کی جُدائی کا رنج تھا ایک شخص بھی ایسا نہ نکلا جو اس کا سروسامان کر سکتا، بہر حال وہ بصرہ سے نکل کر خراسان میں آئے، اور مامون رشید کے دربار میں پیوند لگے ہوئے کپڑے پہن کر پہنچے، اُس نے کہا کہ یہ کیا حالت ہے؟ بولے "بوڑھا آدمی ہوں گرمی سخت ہے، ان پھٹے پرانے کپڑوں کے پہننے سے بدن ٹھنڈا رہتا ہے" اُس نے کہا "نہیں تم تکلیف میں ہو" اس کے بعد باہم گفتگو ہونے لگی، اثنائے گفتگو میں لفظ سداد کا جس کے معنے بقدر ضرورت غذا اور سوراخ بند کرنے کے ہیں ذکر آیا تو اُس کو مامون رشید نے بفتح سین استعمال کیا، لیکن نضر بن شمیل نے اس کی تردید کی اور یہ ثابت کیا کہ یہ فتح سین بہ لفظ قصد کے معنے میں آتا ہے، بقدر ضرورت غذا کے معنے میں نہیں آتا، واپسی کے وقت مامون رشید نے ۵۰ ہزار درہم کا حکم دیا کہ فضل بن سہل کے ذریعہ سے وصول کر لیں، سہل کو اس عطیہ کا سبب معلوم ہوا تو اُس نے ۸۰ ہزار درہم دیئے،

اُنہوں نے سنہ ۲۰۴ھ میں وفات پائی،[۱]

ابن مقسم نحوی

اصلی نام علی بن سلیمان ہے، لغت اور ادب کے امام تھے، ہمیشہ ابو علی بن مقلہ کی

---

[۱] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۴۰۴ والنکتۃ والمفلوکون صفحہ ۲۲

خدمت میں رہتے تھے اور وہ اُن کے ساتھ سلوک کیا کرتے تھے، فقر وفاقہ انتہا درجہ کو پہنچ گیا تھا تو اُنہوں نے ابو علی سے درخواست کی کہ میں ابو الحسن علی بن عیسٰی کو پڑھایا کروں گا آپ وہاں سے میرا وظیفہ مقرر کروا دیجئے، ابن مقلہ نے اُن کی یہ خواہش پوری کر دی لیکن وزیر موصوف سرِ محفل اُن پر سخت برہم ہوا جس کا اُن کو سخت رنج ہُوا، اخفش کو یہ واقعہ معلوم ہُوا تو نہایت رنجیدہ ہوئے، اور فقر وفاقہ کی یہ نوبت پہنچی کہ کچے شلجم کھانے لگے، اور اسی کی وجہ سے کوئی قلبی مرض پیدا ہو گیا جس کے صدمہ سے ۳۱۵ھ میں دفعتہً مر گئے[1]

ابو العباس ابیوردی

شاعر اور فقیہ تھے، فقہ ابو حامد سے پڑھی تھی اور اُس میں بڑا کمال پیدا کیا تھا، باوجود فقر وفاقہ کے نہایت خود دارانہ زندگی بسر کرتے تھے، دو سال تک جاڑوں کے زمانے میں پہننے کو جُبّہ میسّر نہیں ہُوا، لیکن باوجود اس برہنگی کے اُنہوں نے اپنے فقر وفاقہ کو چھپایا، اور اپنے احباب کو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ "مجھے ایک ایسا مرض ہے کہ روئی دار کپڑا نہیں پہن سکتا" یہ ایک شاعرانہ فقرہ تھا کیونکہ غربت وافلاس سے بڑھ کر کونسا مرض ہو سکتا تھا، اُنہوں نے ۴۲۵ھ میں وفات پائی[1]

عبداللہ بن سارہ شنترینی

مشہور شاعر اور ناثر وناظم تھے، لیکن غربت وافلاس کی وجہ سے کوئی بلند منصب نہ

---

[1] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۶۵،

حاصل کر سکے، معمولی چیزیں بیچ کر گذر اوقات کرتے تھے، بہت سی کوشش کے بعد بعض ولاۃ کے کاتب مقرر ہوئے، لیکن بعض سیاسی انقلابات نے اس ملازمت کے چھوڑنے پر مجبور کیا، سخت بے سر و سامانی کے ساتھ اشبیلیہ میں آئے، اور وہاں جلد سازی پر گذر اوقات کرنے لگے، لیکن اس حالت میں سخت عسرت کے ساتھ زندگی بسر ہوتی تھی چنانچہ خود کہتے ہیں،

اما لوراقة فهي انكد حرفة	اوراقها وثمارها الحرمان
جلد سازی کا پیشہ بدترین پیشہ ہے	ناامیدی اُس کا پھل اور پتہ ہے
شبهت صاحبها بصاحبة ابرية	تكسو العراة وجسمها عريان
جلد سازی کی مثال سوئی کی ہے	جو برہنہ لوگوں کو کپڑا پہناتی ہے اور خود ننگی رہتی ہے

اُنہوں نے ۵۱۷ھ میں وفات پائی[۱]

خلیل ابن احمد فراہیدی

علم عروض کے موجد، اور علم نحو کے مشہور امام تھے، سیبویہ وغیرہ نے اُنہیں سے علم نحو کی تعلیم پائی ہے، لیکن باوجود اس فضل و کمال کے سخت مفلس تھے، چنانچہ اُن کے شاگرد نضر بن شمیل کا بیان ہے کہ وہ بصرہ کے ایک چھپّر میں رہتے تھے، اور اُن کو دو پیسے بھی میسّر نہ تھے، حالانکہ اُن کے شاگرد اُن کے علم سے خوب روپے کماتے تھے، لیکن باوجود اس فقر و فاقہ کے اپنی آن کو ہمیشہ خودداری کے ساتھ قائم رکھا، ذریعہ معاش صرف وہ وظیفہ تھا جو سلیمان بن حبیب بن مہلب والی فارس کے یہاں سے ملتا تھا، لیکن بااینہمہ جب اُس نے اُن کو طلب کیا تو یہ اشعار لکھ بھیجے،

---

[۱] الفلاكة والمفلوكون صفحہ ۴۳،

ابلغ سلیمان انی عنہ فی سعۃ — وفی غنی غیر انی لست ذا مال

سلیمان کو یہ پیغام پہنچا دو کہ میں — اس سے بے نیاز ہوں، گو کہ مالدار نہیں ہوں

الرزق عن قدر لا الضعف ینقصہ — ولا یزید لک فیہ حول محتال

روزی تقدیر سے ملتی ہے، ضعف اس کو گھٹا نہیں سکتا اور تدبیر اس کو بڑھا نہیں سکتی

والفقر فی النفس لا فی المال نعرفہ — ومثل ذاک الغنی فی النفس لا المال

احتیاج نفس میں ہے مال میں نہیں — اسی طرح غنا بھی نفس میں ہے، مال میں نہیں

انہوں نے ۱۷۰ھ میں وفات پائی۔[1]

علامہ ابو الطیب الطبری

ابو حامد الاسفرائینی اور ابو الحسن الماسرجی سے تعلیم حاصل کی اور علم اصول اور علم خلاف وغیرہ میں کتابیں لکھیں، لیکن باوجود اس علم و فضل کے غربت و افلاس کا یہ حال تھا کہ اُن کے اور اُن کے بھائی کے درمیان صرف ایک عمامہ اور ایک قمیص تھی، اس لئے جب ان میں سے ایک ان کو پہن کر نکلتا تھا تو دوسرا گھر میں بیٹھا رہتا تھا، چنانچہ قاضی ابو الطیب نے ایک شعر میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے،

قوم اذا غسلوا ثیاب جمالھم — لبسوا البیوت الی فراغ الغاسل

یعنی ہم ایسے لوگ ہیں کہ جب اپنی آرائش کے کپڑے دھوتے ہیں، تو دھونے والے کے فارغ ہونے تک گھر ہی کو پہنتے ہیں

انہوں نے ۱۰۲ سال کی عمر میں ۴۵۰ھ میں وفات پائی لیکن تمام اعضاء و جوارح صحیح تھے، اور عقل و ہوش میں کسی قسم کا فتور نہیں آیا تھا، اس لئے فتوے بھی دیتے تھے، قضاءت کا کام بھی کرتے تھے، اور علمی کاموں میں مصروف رہتے تھے۔[2]

---

[1] الفلاکۃ والمفلوکون صفحہ ۶۹-۷۰ [2] الفلاکۃ والمفلوکون صفحہ ۷، طبقات الشافعیہ جلد ثالث صفحہ ۱۷۶ میں انکا مفصل تذکرہ موجود ہے، لیکن اُنکی غربت و افلاس کا ذکر نہیں ہے،

ربیعۃ الرائے

امام مالک بن انس نے انہی سے تعلیم حاصل کی ہے، بکر بن عبد اللہ الصفانی کا بیان ہے کہ ہم ایک بار ہم لوگ مالک بن انس کے پاس آئے اور وہ ہمارے سامنے ربیعۃ الرائے کی حدیثیں بیان کرنے لگے اور ہم اُن کی حدیثیں بار بار پوچھنے لگے" اُنھوں نے ایک روز ہم سے کہا کہ "تم کو ربیعۃ کی کیا پڑی رہتی ہے؟ وہ خود اس محراب میں سوئے ہوئے ہیں، ہم آئے اور اُن کو بیدار کر کے پوچھا کہ ربیعۃ تمہیں ہو؟ اُنہوں نے کہا "ہاں" ہم نے کہا کہ "مالک بن انس تم ہیں سے روایت کرتے ہیں؟ بولے "ہاں" ہم نے کہا کہ "مالک تو تمہاری ذات سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں اور تم خود اپنی ذات سے فائدہ نہیں اُٹھاتے" اُنھوں نے ۱۳۶ھ میں وفات پائی۔[1]

ابو عثمان مازنی

نحو و ادب کے امام تھے، لیکن زندگی عسرت کے ساتھ بسر کرتے تھے، باایں ہمہ ورع و تقویٰ کا یہ حال تھا کہ ایک یہودی نے سو دینار دے کر اُن سے کتاب سیبویہ پڑھنا چاہی تو اُنھوں نے انکار کر دیا، مبرد نے اُن سے کہا کہ "باوجود اس فقر و فاقہ کے آپ اس نفع کو کیوں چھوڑتے ہیں" تو بولے کہ "اس کتاب میں قرآن مجید کی بکثرت آئتیں ہیں، اور میں ایک ذمی کو یہ آئتیں سکھانا نہیں چاہتا" لیکن چند ہی دنوں کے بعد خداوند تعالےٰ نے اُن کو اس کا معاوضہ ایک دوسری صورت میں دیدیا،

---

[1] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۷،

جس کی تقریب یہ ہوئی کہ ایک لونڈی نے واثق باللہ کے سامنے ایک شعر گایا جس کا پہلا مصرع یہ تھا

اظلوم ان مصابکم رجلا

توزی نے اُس پر یہ اعتراض کیا کہ "رجل" کا لقب صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ "ان" کی جزء ہے" لیکن واثق نے اس کو تسلیم نہیں کیا اور اس مسئلہ کے حل کرنے کے لئے مازنی کو سر من رائے سے طلب کیا، اُنہوں نے بھی لقب ہی کی تائید کی، اس کے بعد بہت سی باتیں ہوئیں اور آخیر میں اُس نے اُن کو ۳۰ ہزار درہم دلوائے[1]

حافظ حسن بن سفیان

خراسان کے مشہور محدث ہیں تحصیل علم حدیث کے لئے بہت سے سفر کئے اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں اس غرض سے مصر کا جو سفر کیا تھا اُس میں اُن کے متعدد تلامذہ بھی شریک تھے، اتفاق سے سب کے سب سخت فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے، یہاں تک کہ تین دن تک سب کے سب بھوکے رہ گئے، اور نوبت سوال کی آ گئی، لیکن کسی کا دل اس ذلت کو گوارا نہیں کرتا تھا اور ضرورت اس پر مجبور کرتی تھی، مجبوراً باہمی قرعہ اندازی کی گئی، اور بدبختی سے اس ذلیل خدمت کے انجام دینے کے لئے حافظ حسن بن سفیان کے نام پر قرعہ پڑا، وہ اُٹھے تو بجائے اِدھر اُدھر سوال کرنے کے مسجد کے ایک گوشے میں جا کر نماز پڑھی اور دُعا مانگی، ابھی نماز پڑھ کر واپس بھی نہیں ہوئے تھے کہ ایک خوش وضع جوان آیا اور اُس نے کہا کہ امیر ابن طولون آپ لوگوں سے معذرت کرتا ہے، اور آپ لوگوں میں سے ہر ایک کے لئے یہ سو دینار

[1] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۲۰۲،

حاضر ہیں[۱]،

ابو حاتم الرازی

بہت بڑے محدث اور فن جرح و تعدیل کے بہت بڑے عالم تھے، علم حدیث کی تحصیل میں بڑے بڑے سفر کئے تھے اور اُن میں سخت تکلیفیں برداشت کی تھیں، چنانچہ اُنہوں نے خود اپنے فرزند عبدالرحمان سے کہا کہ "میں طلب حدیث میں پاپیادہ ہزار کوس سے زیادہ چلا، اور بعض اوقات خرچ کی اس قدر تنگی ہوئی کہ تین دن تک کچھ کھانے کو نہیں ملا یہاں تک کہ بعض شاگردوں سے نصف دینار قرض لینا پڑا[۲]"،

ابوالحسن علی بن بوعت

بہت اچھے شاعر تھے، لیکن مرتے دم تک فقر و فاقہ میں مبتلا رہے، ۴۱۶ھ میں بمقام مصر وفات پائی،

قاسم بن خیرہ شاطبی

علم حدیث اور علم ادب کے بہت بڑے عالم تھے، پہلے سخت فقر و فاقہ کی حالت میں صبر و توکل کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اس کے بعد قاہرہ میں آئے، اور وہاں قاضی

---

[۱] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۱۰ تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۱۲۷ میں بھی ان کا تذکرہ ہے، لیکن یہ واقعہ مذکور نہیں ہے، [۲] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۶۲،

فاضل نے اپنے مدرسہ میں تعلیم دینے کے لئے طلب کیا جس کو اُنہوں نے چند شرائط کے ساتھ منظور کیا ۵۹۵ھ میں وفات پائی[۵۱]

حافظ ابن بصیلہ

بہت بڑے مورخ تھے، مصر کی ایک تاریخ لکھنا شروع کی تھی، لیکن غربت افلاس کی وجہ سے اُس کو پُورا نہ کر سکے ۵۹۸ھ میں وفات پائی[۵۲]

عیسیٰ بن عبدالعزیز جزولی

بہت بڑے ادیب اور نحوی تھے، لیکن جب تک مصر میں قیام رہا سخت فقر و فاقہ میں مبتلا رہے، باانیہمہ کسی مدرسے میں داخل نہیں ہوئے، صرف ایک قوم کی امامت کرتے تھے، اور اُس سے جو کچھ ملتا تھا اُس کو نہایت صبر کے ساتھ اپنے اوپر صرف کرتے تھے، اسی فقر و فاقہ کی حالت میں مغرب کا سفر کیا تو مریۃ تک پہنچ کر ابن سراج کی کتاب جس کو اُنہوں نے ابن بری سے پڑھا تھا اور اُس پر اُن کی لکھی ہوئی تحریر موجود تھی رہن کرنی پڑی، مرتہن نے یہ احسان کیا کہ شیخ ابوالعباس مغربی سے جو مغرب کے زھادین سے تھے اور بنو عبدالمومن کے ساتھ رہتے تھے ان کا حال کہا اور اُنہوں نے بادشاہ کو اس کی خبر کی بادشاہ نے اُن کو طلب کیا اور اُن کے ساتھ سلوک کیا، انہوں نے ۶۱۷ھ میں وفات پائی[۵۳]

---

[۵۱] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۸۹، [۵۲] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۹۰، [۵۳] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۹۲،

یاقوت حموی بغدادی

بہت بڑے ادیب، اور مصنّف تھے، معجم البلدان، معجم الادبار، ارشاد الالباء وغیرہ انہی کی تصنیفات سے ہیں اور کئی کئی جلدوں میں ہیں، ایک بار اتفاق سے اُنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی تنقیص کی تو لوگ اُن پر ٹوٹ پڑے اور قریب تھا کہ اُن کو قتل کر دیں، وہ بغداد سے بھاگ کر پہلے حلب میں آئے، اس کے بعد موصل اربل اور خراسان کا سفر کیا، بالآخر مرو میں توطن اختیار کیا اور تجارت کرنے لگے، پھر وہاں سے نکل کر خوارزم میں آئے، لیکن یہاں اور بھی مصائب کا سامنا ہوا، اور تاتاریوں کی غارت گری کے سلسلے میں سخت تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں، مجبوراً سخت فقر و فاقہ کی حالت میں موصل پہنچے، اور غالباً اس کے بعد ہمیشہ مفلوک الحال رہے اور ۶۲۶ھ ہجری میں وفات پائی۔[1]

ابن معطی

علم لسان کے بہت بڑے امام اور نہایت عمدہ شاعر تھے، دمشق میں رہتے تھے، لیکن گذر اوقات کا کوئی ذریعہ نہ تھا، ایک روز علماء کے ساتھ ملک الکامل کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اُس نے سوال کیا کہ "زیدٌ ذھب بہٖ" میں زید کا لقب بھی جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تمام علماء نے نفی میں جواب دیا لیکن ابن معطی نے کہا کہ "جائز ہو سکتا ہے" اور اس کو ثابت بھی کر دیا، بادشاہ کو اُن کا جواب پسند آیا اور حکم دیا کہ

---

[1] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۹۲،

اُس کے ساتھ مصر کو چلیں وہاں گئے تو اُن کا وظیفہ مقرر کر دیا لیکن وظیفہ مقرر ہونے کے چند ہی دنوں کے بعد ۶۲۳ھ میں وفات پائی۔[۱]

ابو حامد الاسفرائنی شیخ طریقۃ الواق

۳۴۴ھ میں پیدا ہوئے، اور ۴۰۶ھ میں وفات پائی، ابتدائی تعلیم نہایت فقر و فاقہ کی حالت میں حاصل کی کسی کے گھر کی پاسبانی کرتے تھے، اور پاسبانوں کو جو تیل ملتا ہے اُسی کو جلا کر مطالعہ کیا کرتے تھے، شباب کے زمانے میں بغداد آئے اور شیخ ابن مرزبان اور شیخ الدار کی خدمت میں فقہ کی تحصیل کی یہانتک کہ خود امام وقت ہو گئے اور خود اُن کی مجلس درس میں سات سات سو فقیہ حاضر ہونے لگے، اُن کے تمام اوقات علمی مشاغل مثلاً درس و تدریس اور مباحثہ و مناظرہ سے پُر رہتے تھے، اور اُس زمانے کے تمام علماء اُن کے علم و فضل کا اعتراف کرتے تھے، شیخ ابو اسحاق شیرازی کا بیان ہے کہ "میں نے قاضی ابو عبداللہ الصمیری سے جو اُس زمانے میں حنفی مذہب کے امام تھے پوچھا کہ آپ نے شیخ ابو حامد سے زیادہ مناظرہ دیکھا ہے؟" بولے "میں نے اُن سے اور ابو الحسن الجزری الداؤدی سے بڑھ کر مناظر نہیں دیکھا" ابو الحسین قدوری جو حنفی مذہب کے امام تھے اُن کو ہر شخص پر ترجیح دیتے تھے، علماء کے ساتھ سلاطین بھی اُن کی نہایت عزت کرتے تھے، اور عوام پر اسقدر اثر تھا کہ ایک بار خلیفہ سے کسی معاملے میں رنجش ہو گئی تو اُنھوں نے اُس کو لکھا کہ "خداوند تعالےٰ نے مجھ کو جو ولائیت دی ہے تم مجھ کو اُس سے معزول نہیں کر سکتے لیکن میں چاہوں تو خراسان والوں کو دو تین لفظ کا ایک رقعہ لکھ کر تم کو تمہاری خلافت سے معزول کر دوں"[۲]

---

[۱] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۹۳، [۲] طبقات الشافعیہ جلد ۳ صفحہ ۲۴-۲۵-۲۶ ۔

ابو عمرو

لغت کے مشہور امام ہیں، حافظہ اس قدر قوی تھا کہ لغت میں ۲۰ ہزار ورق زبانی لکھوا دیئے، اُن کی اکثر تصانیف زیادہ اسی قوت حافظہ کا نتیجہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ اُن کے ہمعصر ادباء کو اُن کی نقل و روایت پر اعتماد نہ تھا ہمیشہ علمی مشاغل میں مصروف رہتے تھے، اس لئے کسب معاش کا موقع نہیں ملتا تھا اور ہمیشہ عسرت میں مبتلا رہتے تھے ۲۴۵ھ میں وفات پائی۔[۱]

محمد بن یحییٰ زبیدی

علم اصول اور علم عربیت کے بہت بڑے ماہر تھے مختلف علوم میں سو سے زیادہ کتابیں تصنیف کی تھیں، نہایت مفلس اور مفلوک الحال تھے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ "میں اُن کے پاس صبح سے ظہر تک بیٹھا اور وہ اپنے منہ میں کوئی چیز چبا رہے تھے" میں نے دریافت کیا تو بولے کہ "کھانے کو کچھ نہ تھا، میں نے ایک گٹھلی اُٹھا لی کہ اُس سے مشغلہ کرتا رہوں" لیکن بایں ہمہ نہایت صبر اور خودداری کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے ۵۵۵ھ میں وفات پائی۔[۲]

حافظ ابو العلاء ہمدانی

علم حدیث کے متعلقات میں انساب، تاریخ، اسماء، کنیت، قصص و سیر میں اپنے

[۱] النکتہ والمفلوکون صفحہ ۹۶ [۲] ایضاً صفحہ ۹۸

دور کے تمام حفاظ سے ممتاز تھے، حافظ عبدالقادر رہاوی بہت سی مدح و ستائش کے بعد بیان کرتے ہیں کہ "ایک بار انہوں نے میرے سر پر کھلی ہوئی ٹوپی دیکھی تو فرمایا کہ یہ ٹوپی نہ پہنو، کیونکہ سب سے پہلے جس شخص نے اس ٹوپی کی ابتدا کی وہ ابو مسلم خراسانی تھا" اس کے بعد اوّل سے آخر تک اُس کے تمام حالات بیان کر دئیے، ایک بار اُن کے پاس حضرت عثمان رضؓ کے متعلق فتوے آیا، تو اُنہوں نے اُس کے متعلق محض اپنی یادداشت سے ایک لمبی چوڑی تحریر لکھی جس میں اُن کی وفات، ولادت، سن اور اولاد وغیرہ سب کا ذکر تھا،

وہ نسلاً ایک تجارت پیشہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے، اور وراثت میں اُن کو دولت بھی ملی تھی، لیکن تحصیل علم میں یہ تمام دولت صرف کر دی، یہاں تک کہ متعدد بار بغداد اور اصفہان کا سفر پاپیادہ کرنا پڑا، اور کتابیں خود اپنی پیٹھ پر لادنی پڑیں، شیخ ابوالفضل ادیب ہمدانی کا بیان ہے کہ "میں نے اُن کو بغداد کی ایک مسجد میں دیکھا کہ کھڑے ہوئے لکھ رہے ہیں کیونکہ چراغ بہت اوپر تھا"، لیکن تحصیل علوم سے فارغ ہونے کے بعد اُن کو نہایت شہرت حاصل ہوئی اور سلاطین و عوام دونوں کے نزدیک اُن کو جاہ و وقار حاصل ہوا یہاں تک کہ جب ہمدان میں نکلتے تھے تو ہر شخص یہاں تک کہ یہود اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی تعظیم کو کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کو دعا دیتے تھے۔[۱]

ابوالحسن علی بن احمد بن نوبخت

بہت بڑے ادیب تھے، لیکن قسمت اچھی نہ تھی، ہمیشہ مفلوک الحال رہے، اور اسی غربت و فلاکت کی حالت میں ۴۱۶ھ میں بمقام مصر وفات پائی، کفن ابو محمد بن جیران

---

۵۱ الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۱۰۰،

متولی کتب الجانات نے دیا۔

ابوبکر بن محمد بن یحییٰ صولی

بہت بڑے ادیب اور مصنف تھے شطرنج بھی نہایت عمدہ کھیلتے تھے، بغداد میں رہتے تھے، لیکن تنگدستی کی وجہ سے اُس کو چھوڑنا پڑا ۳۳۵ھ میں وفات پائی۔[1]

ابو علی قالی

مشہور ادیب اور علمی آدمی تھے، ان کے پاس ابن درید کی کتاب الجمہرہ کا ایک نسخہ تھا جس کو نہایت محبوب رکھتے تھے، لیکن ضرورت نے اُس کے فروخت کرنے پر مجبور کیا اور شریف مرتضیٰ نے اُس کو خرید لیا، خریدنے کے بعد دیکھا تو اُن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے یہ حسرت ناک اشعار نظر آئے،

انست بها عشرین حولا دبعتها فقد طال وجدی بعدها وحنینی

مَیں بیس سال تک اس نسخہ کے ساتھ مانوس رہا، اسکے بعد اُس کو فروخت کیا تو میرا رنج وغم بہت بڑھ گیا

وما کان ظنی اننی سا بیعها ولو خلدتنی فی الجون دیونی

میرا یہ خیال نہ تھا کہ مَیں اُسکو عنقریب فروخت کر ڈالونگا، گو میرے قرض مجھے ہمیشہ جیلخانے ہی میں محبوس کیوں نہ رکھیں،

ولکن لضعف وافتقار وصبیة صغار علیهم تستهل جفونی

لیکن ضعف، حاجت اور اُن چھوٹی چھوٹی لڑکیوں نے جن کیلئے مَیں روتا رہتا ہوں مجھے اس پر مجبور کیا،

---

[1] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۱۰۳ [2] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۱۰۳

فغلت والمراملاث سوابق عبرۃ مقالۃ مکدی الفواد حزاین

تو میں نے سخت غمگین شخص کی طرح ایسی حالت میں کہ اپنے آنسوؤں کو روک نہیں سکتا تھا کہا

وقد تخرج الحاجات یا ام مالک ودائع من رب بھن ضنین[1]

ضرورتیں ایسی شخص کی ودیعتوں کو بھی نکال لیتی ہیں جو اُن کے ساتھ بخل کرتا ہے،

عبدالرحمان ابن محمد انباری

بہت بڑے عالم، ادیب اور مصنّف ہونے کے ساتھ سخت زاہد، پابند مذہب اور گوشہ نشین شخص تھے، ایک آبائی گھر تھا جس میں رہتے تھے اور ایک گھر اور ایک دُکان تھی جس کا ماہوار کرایہ نصف دینار مل جاتا تھا جو اُن کا ذریعہ معاش تھا اور اُسی میں سے لکھنے کے لئے کاغذ بھی خریدتے تھے، گھر میں چراغ نہیں جلاتے تھے، صرف ایک چٹائی پڑی رہتی تھی جس پر ایک کپڑا اور عمامہ پڑا رہتا تھا اور ان دونوں کو صرف جمعہ کے روز پہنتے تھے، باقی گھر میں پھٹے پُرانے کپڑے پہنے رہتے تھے، لیکن باوجود اس عسرت کے نہایت مستغنی و بے نیاز تھے، چنانچہ ایک بار خلیفہ مستفی نے پانچسو دینار بھیجے تو اُن کو واپس کر دیا اُس نے کہا کہ اپنے لڑکے کے مصارف میں ان کو صرف فرمائیے، بولے "اگر مَیں نے اُن کو پیدا کیا ہے تو اُن کی روزی بھی دونگا" اُنہوں نے شعبان ۵۷۷ھ میں وفات پائی،[2]

عمر بن ابراہیم کوفی

۴۴۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۳۹ھ میں وفات پائی، نہایت مفلوک الحال تھے،

[1] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۱۱۱ [2] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۱۱۷،

لیکن اسی حالت میں صبر و قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے[1]

حسن بن محمد المعروف بابن الدہان

ادب، لُغت، کلام اور فقہ وغیرہ کے بہت بڑے عالم تھے، لیکن مفلس اس قدر تھے کہ حلقہ درس میں بیٹھتے تھے تو بدن کا کپڑا بدن کی پردہ پوشی بھی نہیں کر سکتا تھا جمادی الاولیٰ ۴۴۷ھ میں وفات پائی[2]

حسن بن محمد الطیبی

اگرچہ معانی، بیان، عربیت اور عقلی علوم کے بھی بہت بڑے ماہر تھے لیکن زیادہ تر وقت قرآن و حدیث کی خدمت میں صرف کرتے تھے، معمولاً صبح سے ظہر تک تفسیر قرآن میں مشغول رہتے تھے، اس کے بعد عصر تک علمِ حدیث کا مشغلہ رہتا تھا، جس کو تا دم مرگ قائم رکھا، لیکن چونکہ عقلی علوم سے بھی واقف تھے، اس لئے فلاسفہ و مبتدعہ کا رد بھی اُنکے مشاغل کا ایک جزو تھا،

نہایت با اخلاق تھے، خدا اور رسولؐ سے نہایت محبت رکھتے تھے، طلباء کو بغیر کسی حرص و طمع کے درس دیتے تھے بلکہ اُن کی خدمت بھی کرتے تھے، اور لوگوں کو عُمدہ کتابیں عاریتہً دیتے تھے، اور اس میں اجنبی، بیگانہ، اہل شہر اور پردیسی سب یکساں تھے، جو لوگ شریعت کی تعظیم کرتے تھے اُن کو دوست رکھتے تھے، خوش قسمتی سے دولتمند بھی تھے، لیکن نیک کاموں میں بے دریغ دولت صرف کرنے کا نتیجہ یہ ہُوا کہ آخیر عُمر میں

[1] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۲۵۹، [2] ایضاً بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۲۲۹ +

محتاج ہو گئے، ۳ ۷۲ھ میں وفات پائی۔[1]

علمائے اسلام کی غیر محدود تعداد میں سے غالباً ان چند ناموں کو پڑھ کر ناظرین کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہو گا کہ ان کے علاوہ علماء کی جو غیر محدود تعداد تھی اُس نے دُنیوی ساز و سامان اور دنیوی جاہ و جلال سے پورا فائدہ اُٹھایا ہو گا، لیکن اس تحدید و انحصار کی بُنیاد اس پر نہیں کہ ان کے علاوہ اور علماء دُنیوی لذائذ و فوائد سے متمتع اور بہرہ اندوز تھے، بلکہ اس کے متعدد اسباب ہیں، مثلاً

(۱) ہم نے صرف اُن علماء کے مختصر حالات لکھے ہیں جو زہد و تقشف کے ساتھ مشہور نہیں ہیں، اس بنا پر زہادِ اسلام کی ایک بہت بڑی تعداد اس فہرست سے خارج ہو گئی ہے مثلاً

شیخ محی الدین نووی

کہ ان کے زہد و تورع کا یہ حال تھا کہ صرف عشاءِ اخیرہ کے بعد کھانا کھاتے تھے، اور صرف سحر کے وقت پانی پیتے تھے، پانی پینے میں بھی یہ التزام تھا کہ ٹھنڈا نہ ہو، دمشق کا میوہ نہیں کھاتے تھے، کیونکہ اوقاف وغیرہ کی آمدنی اُن کے نزدیک مشتبہ تھی، حمام میں غُسل نہیں کرتے تھے، شادی نہیں کی تھی، پیوند لگا ہوا کپڑا پہنتے تھے، صرف سوکھی روٹی اور حوران کے انجیر پر گذر اوقات تھی،

شیخ شہاب الدین سہروردی

صاحب عوارف المعارف کہ حال و قال دونوں میں امام وقت تھے، آخیر عمر میں

[1] بغیۃ الوعاۃ صفحہ ۲۲۸،

اندھے بھی ہو گئے تھے، اور وفات پائی تو کفن تک نہیں چھوڑا،

حسن بن العباس السخی الاصفہانی

کہ علم حدیث کا درس دیتے تھے، لیکن اُن کا لباس اور اُن کا فرش اس قابل بھی نہ تھا کہ اُس کی کوئی قیمت لگائی جا سکے،

ابراہیم بن اسحاق

کہ علم حدیث اور فقہ کے امام تھے، لیکن ایک رمضان میں اُنہوں نے اپنے اور اپنے اہل وعیال کی ذات پر جو کچھ صرف کیا اُس کی مقدار ایک درہم اور ساڑھے چار دوانق تھی؛ باایں ہمہ جب خلیفہ معتضد نے اُن کی خدمت میں دس ہزار درہم بھیجے تو اُنہوں نے اُس کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، اُس نے دوبارہ قاصد سے کہلا بھیجا کہ اس کو اپنے پڑوسیوں میں تقسیم کر دیجئے" تو بولے "نہ ہم اس کو جمع کر سکتے، نہ تقسیم کر سکتے، خلیفہ یا ہمیں چھوڑ دے یا ہم خود اُس کے شہر کو چھوڑ دیں"

(۲) بہت سے بزرگ ایسے ہیں جن کی نسبت ہمارے تذکرہ نویس صرف اس قدر لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ "وہ متقلل" تھے یعنی مال و دولت اُن کے پاس کم تھا، اگرچہ اس قسم کے لوگ بھی انہی فقرائے اسلام کے سلسلے میں داخل ہو سکتے ہیں، لیکن ہم نے اس قسم کے تمام بزرگوں کو جن کے فقر و احتیاج کا صریح ذکر تذکرہ نویسوں نے نہیں کیا تھا بالکل چھوڑ دیا ہے، حالانکہ ان کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے، مثلاً عبدالرحمٰن بن محمد الانباری، عزیزی بن عبدالملک شافعی اور مبارک بن محمد وغیرہ کی نسبت تذکروں میں

اس قسم کے الفاظ موجود ہیں لیکن ہم نے اس قسم کے تمام بزرگوں کو نظر انداز کر دیا ہے،
(۳) ہم نے صرف کبار علماء کا ذکر کیا ہے، اس لئے وہ تمام اہل علم نظر انداز کر دئے گئے ہیں جنہوں نے علم کی تھوڑی بہت تحصیل کی تھی اور مفلس و محتاج تھے،
(۴) بہت سے علماء ایسے بھی ہیں جن کے فقر و غناء کی نسبت تذکروں میں کوئی تصریح نہیں ہے، اور خود اُن کے کسی عُہدے یا درس و تدریس کی مُلازمت کا ذکر بھی نہیں ہے جس سے اُن کی دولتمندی کا پتہ چل سکے، اس لئے یہ لوگ بھی اگرچہ بظاہر فقرائے اسلام کے سلسلے میں آسکتے تھے لیکن ہم نے ان کو بھی بالکل نظر انداز کر دیا ہے، اور اس طرح بہت سے علماء مثلاً ابن حاجب، ابن عصفور ابن خشاب اور زمخشری وغیرہ اس سلسلے سے خارج ہو گئے ہیں،
(۵) بہت سے علماء ایسے تھے جو پہلے تو محتاج تھے لیکن بعد کو بہت بڑے دولتمند ہو گئے لیکن ہم نے ان کو بھی حذف کر دیا ہے، اور اس طرح فقرائے اسلام کے بہت سے نام چھوٹ گئے ہیں،
(۶) پورے طور پر اس بحث کا استقصاء بھی نہیں کیا گیا ہے، ورنہ اگر پورے طور پر ورق گردانی کی جاتی تو اس میں اور ناموں کا بھی اضافہ ہو جاتا،
(۷) فقرائے اسلام کے یہ نام صرف مستند کتابوں سے اخذ کئے گئے ہیں اور ادب و محاضرات کی کتابوں میں اس قسم کے جو تذکرے ہیں اُن کو بالکل چھوڑ دیا ہے،
(۸) کبار علماء پر جو مصیبتیں نازل ہوئی ہیں ہم نے اُن کا ذکر بالکل نہیں کیا ہے حالانکہ کوئی بڑا عالم ایسا نہ ہوگا جو ان مصائب کا شکار نہ ہُوا ہو، چنانچہ ہم اس موقع پر چند مصیبت زدہ علماء کا تذکرہ کرتے ہیں،

امام مالک بن انس

ابو جعفر منصور سے لوگوں نے ان کی شکایت کی اور اُس نے ان کو برہنہ کر کے ستر کوڑے لگوائے، اور ہاتھوں کو بندھوا کر لٹکا دیا جس سے اُن کے دونوں شانے اُکھڑ گئے، اس وحشیانہ سزا کا سبب یہ تھا کہ لوگوں نے اُن سے محمد بن عبداللہ بن حسن کی بیعت کے متعلق سوال کیا اور کہا کہ ہم اس سے پہلے ابو جعفر منصور کی بیعت کر چکے ہیں،" اُنھوں نے کہا کہ تم نے یہ جبر بیعت کی ہے جس کی پابندی تمہارے لئے لازمی نہیں" چنانچہ لوگوں نے اس کی شکایت کی اور اُس نے اس جرم میں اُن کو سزا دی لیکن اس سے اُن کی قدر و منزلت میں کوئی فرق نہیں آیا،

امام ابو حنیفہ رح

یزید بن عمر بن ہبیرہ خزاری، خلفائے بنو امیہ کے آخری تاجدار مروان بن محمد کے زمانے میں عراق عرب اور عراق عجم کا گورنر تھا، اُس نے امام صاحب کو کوفے کا قاضی بنانا چاہا، لیکن اُنھوں نے اس منصب کو قبول نہیں کیا! اس پر اُس نے دس کوڑے کے حساب سے اُن کو ایک سو دس کوڑے لگوائے۔ لیکن وہ اس پر بھی اپنے انکار پر قائم رہے تو اُن کو قید کر دیا، اور ایک روایت کے مطابق اُنھوں نے سنہ ۱۵۰ ہجری میں قید خانے ہی میں وفات پائی،

امام احمد بن حنبل

معتزلہ کی ایک جماعت کے اثر سے خلیفہ مامون رشید مسئلہ خلق قرآن کا قائل ہو گیا، اور چنانچہ آخیر عمر بن ادس نے اس کی تبلیغ و دعوت کا سلسلہ بھی شروع کر دیا اور اپنی وفات سے چند مہینے پہلے ۲۱۸ھ میں اُس نے گورنر بغداد اسحاق بن ابراہیم کو طرطوس سے لکھا کہ "لوگوں کو اس عقیدہ کی عام دعوت دے" اس خط کے پہنچنے کے ساتھ ہی اُس نے علماء کی ایک جماعت کو طلب کیا، لیکن ان سب نے اس عقیدہ کے قبول کرنے سے انکار کیا، اب اُس نے تعزیر اور وظیفہ کے بند کرنے کی دھمکی دی تو اکثر علماء نے بجبر و اکراہ اس عقیدہ کو قبول کر لیا، صرف دو بزرگ یعنی امام احمد بن حنبل اور محمد بن نوح اپنے انکار پر قائم رہے، اور اس جرم کی بنا پر مامون کے حکم کے بموجب دونوں ایک اونٹ پر مقید کر کے اُس کی خدمت میں بھیجدیئے گئے لیکن اسی اثناء میں مامون کا انتقال ہو گیا، اور معتصم خلیفہ ہُوا جس کے زمانے میں اس مسئلہ کے متعلق اس سے بھی زیادہ سختیاں شروع ہوئیں، اور یہ دونوں بعض قیدیوں کے ساتھ ایک کشتی میں بٹھا کر بغداد کو واپس کئے گئے، محمد بن نوح کا تو راستے ہی میں انتقال ہو گیا لیکن امام احمد بن حنبل تقریباً ۲۸ مہینے تک بغداد کے قیدخانے میں مقید رہے، اس کے بعد معتصم نے اُن کو ہتھکڑیاں لا کر طلب کیا اور سامنے بٹھا کر اس عقیدے کی دعوت دی، وہ اب بھی اپنے انکار پر قائم رہے، اور فرمایا کہ تمہارے چچازاد بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ہے، اُنہوں نے شہادت کلمہ لا الہ الا اللہ کی دعوت دی تھی، اور مَیں اُس کی شہادت دیتا ہوں لیکن قرآن خداوند تعالےٰ کا علم ہے اور جس شخص نے یہ یقین کیا کہ خداوند تعالےٰ کا علم مخلوق ہے

وہ کافر ہو گیا میرے سامنے قرآن کی کوئی آیت یا رسول اللہ صلعم کی کوئی حدیث لاؤ تو میں اس عقیدہ کا قائل ہو جاؤں" احمد بن ابی دواد وغیرہ نے اس مسئلہ کے متعلق اُن سے مناظرہ کیا اور اُنہوں نے جو آثار پیش کئے تھے اُن کا انکار کیا اور معتصم سے کہا کہ "انہوں نے آپ کو اور ہم سب کو کافر بنایا" اور اسحاق بن ابراہیم گورنر بغداد نے کہا کہ "اے امیر المومنین، سیاسی حیثیت سے یہ مناسب نہیں کہ ایک ایسے شخص کو رہا کر دیا جائے جس نے دو خلیفوں (مامون و معتصم) کو مغلوب کر لیا ہے" اب اُس کا غصہ اور تیز ہو گیا اور اُس نے اس قدر کوڑے لگوائے کہ وہ بیہوش ہو گئے، اسی بیہوشی کی حالت میں وہ اپنے گھر آئے، اور اچھے ہونے کے بعد ایک مدت تک زندہ رہے، یعنی یہ واقعہ رمضان ۲۲۰ھ میں پیش آیا تھا اور وہ ۲۴۱ھ تک زندہ رہے،

یوسف بن یحییٰ البوطی

امام شافعی کے شاگرد ہیں، اور اس درجہ کے شاگرد ہیں کہ جب امام شافعی سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تھا تو وہ اُس کا جواب اُنہی سے متعلق کر دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ وہ میری زبان ہیں" وہ بھی اس مسئلہ کی بدولت سخت آزمائش و امتحان میں مبتلا ہوئے چنانچہ خلیفہ واثق باللہ کے زمانے میں مصر سے گرفتار کر کے بغداد میں لائے گئے اور اس طرح لائے گئے کہ گردن میں طوق تھا، پاؤں میں بیڑیاں تھیں، اور اس طوق اور بیڑی کے درمیان ایک زنجیر تھی جس میں ۴۰ رطل وزن کا ایک طوق پڑا ہوا تھا لیکن باایں ہمہ اُنہوں نے اس مسئلہ کو تسلیم نہیں کیا اور ۲۳۱ھ میں جیل خانے ہی کے اندر وفات پائی،

امام بخاری

خالد بن احمد ذھلی نے اُن سے خواہش کی کہ وہ اُس کے مکان پر آکر اُس کی اولاد کو حدیث سُنائیں، لیکن اُنہوں نے اس سے انکار کیا، اسی زمانے میں امام محمد ابن یحیٰی ذھلی اور امام بخاری کے درمیان مسئلہ خلق قرآن کے متعلق مناظرہ ہُوا تھا اور امام بخاری نے خاص اسی موضوع پر اپنا رسالہ خلق افعال العباد لکھا تھا، امام ذھلی نے خالد بن احمد ذھلی کو نیشا پور سے ایک خط لکھا کہ امام بخاری کہتے ہیں کہ "قرآن مجید کے جو الفاظ وہ بولتے ہیں وہ مخلوق ہے"، چنانچہ خالد بن احمد ذھلی نے اس خط سے فائدہ اُٹھایا اور لوگوں کو امام بخاری سے حدیث سُننے کی ممانعت کی، لیکن لوگوں نے اس حکم کی تعمیل سے انکار کیا اور اب اُس نے امام بخاری کی جلاوطنی کا حکم دیا، امام بخاری شہر سے نکلے تو اُس کو بددعا دی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ ایک مہینہ بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ ابن طاہر نے حکم دیا کہ خالد کو گدھے پر چڑھا کر شہر میں پھرایا جائے، اس کے بعد وہ بغداد میں قید کیا گیا اور اُسی قید خانے ہی میں مرگیا۔

امام نسائی

پورا نام احمد بن علی بن شعیب نسائی ہے، مشہور محدث تھے اور صحاح ستہ میں سنن نسائی اُن کی مشہور کتاب ہے۔ اُن پر کسی قدر شیعیت کا الزام لگایا جاتا تھا، چنانچہ وہ دمشق میں آئے تو لوگوں نے اُن سے امیر معاویہ کے فضائل بیان کرنے کی درخواست کی، لیکن اُنہوں نے انکار کیا اس پر لوگوں نے اُن پر طعن و تشنیع کی اور جامع دمشق

سے نکالدیئے گئے، وہاں سے مکہ کو روانہ ہوئے اور مقام رملہ میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے بھی یہی خواہش کی اور انکار کرنے پر جامع مسجد میں زدوکوب سے بھی دریغ نہیں کیا اب اُنکی درخواست پر لوگوں نے اُن کو مکّہ روانہ کیا، وہ بیمار تھے اور بیماری ہی کی حالت میں مکّہ پہنچ کر سنہ ۳۰۳ھ میں وفات پائی،

ابو عمرو عیسیٰ ثقفی نحوی

سیبویہ کے اُستاد، اور کتاب جامع کے مصنّف تھے، مشہور ہے کہ سیبویہ نے خلیل سے جو معلومات حاصل کی تھیں اُنہوں نے اس کتاب میں اُنکا اضافہ کرکے اُس کو اپنی طرف منسوب کرلیا، اُنکے پاس ایک شخص نے کوئی چیز امانتہً رکھی تھی، لوگوں نے یوسف بن عمر امیر العراقین کو اس کی خبر کردی، اور اُس نے بصرہ میں اپنے نائب کو لکھا کہ اُن کو گرفتار کرکے بھیجدے، اُس نے اُن کو طلب کیا اور ایک لوہار کو بُلا کر کہا کہ انکے ہاتھ میں ہتھکڑیاں لگادے، جب ہتھکڑیاں بھردی گئیں تو اُسنے کہا کہ اُس میں تمہارا کوئی ہرج نہیں، امیر نے تم کو صرف اپنی اولاد کی تعلیم کیلیئے طلب کیا ہے" انہوں نے کہا تو اس حالت میں ہتھکڑیاں لگانے کے کیا معنے ہیں؟ بہرحال جب وہ پہنچے تو اُسنے اُن سے سوال کیا اور انکار کرنے پر کوڑے لگوائے اُنہوں نے سنہ ۱۴۹ھ میں وفات پائی۔[1]

حافظ عبد الغنی مقدسی

اپنے زمانے میں روایتہً اور درایتہً دونوں حیثیتوں سے علم حدیث کے امام تھے اور

[1] الفلاکتہ والمفلوکون از صفحہ ۱۲۰ تا صفحہ ۱۲۵۔

بہت سی عُمدہ کتابیں لکھی تھیں، لیکن ہمیشہ مبتلائے مصائب رہے، چنانچہ جب وہ اصفہان میں آئے اور معرفتہ الصحابہ میں حافظ ابو نعیم کی کتاب سے واقف ہوئے تو اُس پر ایک سو نوے[۱۹] اعتراضات کئے، لوگوں نے اس پر برہم ہو کر خجندی سے اُن کے قتل کا مطالبہ کیا تو روپوشی اختیار کی اور صرف ایک تہہ بند پہن کر اصفہان سے نکل بھاگے، پھر اصفہان کو واپس ہوتے ہوئے موصل گئے اور وہاں عقیلی کی کتاب الجرح والتعدیل پڑھائی اور اُس میں امام ابو حنیفہ پر بھی جرح کی اس پر احناف نے سخت برہمی ظاہر کی اور اُن کو قید کر دیا، اور اگر برھان میں برقی واعظ نے اُن کو رہائی نہ دلوائی ہوتی تو یہ لوگ اُن کو قتل کر ڈالتے، اس کے بعد موصل سے نکل کر دمشق میں آئے اور نماز جمعہ کے بعد حنبلیوں کے حلقے میں علم حدیث کا درس دینے لگے اور وہاں ان کو نہایت حسن قبول حاصل ہُوا اور مرجع عام بن گئے، اس پر دمشق والوں کو حسد ہُوا اور اُنہوں نے خیر خواہ و ناصح کے بھیس میں اُن کو یہ مشورہ دیا کہ وہ نماز کے بعد وعظ کہا کریں اس بنا پر وہ عصر کے بعد وعظ کہتے تھے اور کرسی پر بیٹھ کر اپنا عقیدہ بیان کرتے تھے، اس وقت صارم الدین برغش وہاں کا والی تھا اور محی الدین بن زکی الدین، خطیب دیعی اور اہل دمشق کی ایک جماعت نے اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر اُس سے شکایت کی کہ اس شخص نے لوگوں کو گمراہ کر دیا اور وہ تشبیہ کا قائل ہے، اس مسئلہ کے فیصلہ کرنے کے لئے ان لوگوں نے ایک مجلس مناظرہ منعقد کی اور اثنائے مناظرہ میں اُن پر متعدد اعتراضات کئے اور بڑا شور و غل ہُوا، اب صارم الدین نے کہا کہ "یہ سب گمراہی پر ہیں اور صرف تُم حق پر ہو؟ اُنہوں نے کہا "ہاں" اب اُس نے قیدیوں کو حکم دیا اور اُن سب نے جامع دمشق میں آکر اُن کا منبر وغیرہ توڑ ڈالا اور حنبلیوں کو نماز سے روک دیا، اس کے بعد وہ مصر کو روانہ ہوئے اور وہاں بھی حدیث کا درس دینا شروع کیا لیکن فقہائے مصر نے بھی اُن کے خون کو مباح قرار دیا اور ملک العزیز کی

خدمت میں اس کے متعلق فتوے روانہ کیا وہ اسوقت شکار میں تھا اور اسی شکار کی حالت میں گھوڑے سے گر کر مر گیا لیکن اُس کے بعد جب ملک العادل اپنے وزیر ابن شکر کے ساتھ مصر میں آیا تو اُس کی خدمت میں بھی شکایت کی گئی، لیکن اُس نے انکے زہد اور علم و فضل کا اعتراف کیا اور وہ بدستور مسجد المصنع میں حدیث پڑھانے لگے، اب اہل مصر نے ابن شکر سے یہ شکایت کی کہ انھوں نے لوگوں کے عقائد خراب کر دیئے ہیں اور سب کے سامنے تجسیم کا بیان کرتے ہیں، چنانچہ اُس نے والی مصر کو لکھا کہ اُن کو مغرب کی طرف جلا وطن کر دیا جائے، لیکن اس حکم کے نفاذ سے پہلے ہی خداوند تعالیٰ کی طرف سے اُن کی جلا وطنی کا حکم آ گیا اور اُنھوں نے ۲۳ ربیع الاول سنہ ۶۰۰ھ میں عالم جاودانی کی طرف رحلت کی، ابن شکر کو اس کا حال معلوم ہوا تو اُس کو ندامت ہوئی[1]

ابن حزم ظاہری

علوم عقلیہ و نقلیہ دونوں کے امام تھے، منجملہ ان کی مشہور کتاب ملل ونحل ہے، لیکن لب و لہجہ میں درشتی پائی جاتی تھی، اور اپنے مخالفین پر شدت کے ساتھ لعن و طعن کرتے تھے، اس لئے تمام فقہاء اُن کے مخالف ہو گئے، اور بادشاہوں کے سامنے اُن کو سلطنت کے لئے ایک خطرہ ثابت کیا اور عوام کو اُن کے پاس جانے سے روک دیا، نتیجہ یہ ہُوا کہ بادشاہوں نے اُن کو اپنے ملکوں سے جلا وطن کر دیا اور اُنھوں نے ایک صحرا میں جا کر اقامت اختیار کی اور وہیں سنہ ۴۵۶ھ میں وفات پائی[2]

---

[1] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۶۸ [2] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۸۵

ابن مقلہ

ادیب اور انشا پرداز ہونے کے ساتھ وزارت کے منصب پر فائز المرام تھا اور تین خُلفاء یعنی مقتدر، قاہر اور راضی کا وزیر رہ چکا تھا، اس لئے تمام امیرانہ ساز و سامان رکھتا تھا، ایک بہت بڑا باغ بنوایا تھا جس میں نہایت کثرت سے چرند و پرند مثلاً نیل گائے، جنگلی گدھے، ہرن، شُتر مُرغ، قمری، بُلبُل اور مور وغیرہ پال رکھے تھے، ایک عظیم الشان محل تعمیر کروایا تھا جس کی بُنیاد رکھنے کے وقت بہت سے منجم جمع کئے گئے تھے اور اُن کی ہدایت کے بموجب مغرب و عشاء کے درمیان اُس کا سنگ بُنیاد رکھا گیا تھا، لیکن ان تمام عیاشانہ سامان کے فراہم ہو جانے کے بعد وزارت سے معزول کیا گیا، گھر میں آگ لگا دی گئی، باغ کے تمام درخت اُکھیڑ دیئے گئے، ہاتھ کاٹ دیا گیا، بہت بڑا جرمانہ عائد کیا گیا، اور ان تمام سزاؤں کے بعد باوجود ضُعف و کبر سنی کے تنہا قید کر دیا گیا، ایک نہایت گہرا کنواں تھا جس سے بوقت ضرورت خود پانی نکالتا تھا، چونکہ دہنا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا تھا اس لئے بائیں ہاتھ سے کنوئیں میں ڈول ڈالتا تھا اور رسّی کو مُنہ میں دبائے رکھتا تھا، غرض سخت تکلیفیں اُٹھا کر ۳۲۸ھ میں قید خانے ہی میں وفات پائی۔[1]

محمد بن عبداللہ العتقی

اگرچہ متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے، لیکن علم نجوم میں زیادہ مہارت حاصل تھی، افریقہ کے رہنے والے تھے اور جب ابو تمیم قیروانی نے مصر پر تسلط حاصل کیا تو اُس کے ساتھ

---

[1] الفلاکتہ والمفلوکون صفحہ ۱۲۸۔

بحیثیت منجم کے مصر میں آئے اور عزیز بن معز کے زمانے تک نہایت عیش و فراغت کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے، اسی زمانے میں ایک تاریخی کتاب لکھی جس میں خلفائے بنو امیہ اور خلفائے عباسیہ کے حالات لکھے اور مورخین کے طرز پر اُن کے مآثر و مناقب بیان کئے، عزیز کے وزیر یعقوب بن کلس کو اس کی اطلاع ہوئی تو اُس نے ۳۷۰ھ میں عزیز کو اس کی اطلاع دی، اور اُس نے محمد بن عبداللہ العتقی کو اس پر زجر و توبیخ کی، یعقوب نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ تمام لوگوں کو اپنے گھر میں بُلا کر اس کے متعلق خطاب کیا اور عتقی کی بُرائی بیان کی، اب عتقی کو مجبوراً خانہ نشین ہونا پڑا اور اُسکی ایک جائداد ضبط کر لی گئی اور اُس نے اسی خانہ نشینی اور معتوب سُلطانی ہونے کی حالت میں رمضان ۳۰۸ھ میں وفات پائی۔[1]

---

[1] اخبار الحکماء قفطی صفحہ ۱۸۷۔

فقرائے اسلام کا اثر ادب لطیف پر

ان اوراق کے مطالعہ سے اگرچہ یہ امر نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت ہو گیا ہو گا کہ تاریخ اسلام میں علوم و فنون کی خدمت زیادہ تر فقرائے اسلام کے دست و بازو کی مرہونِ منّت رہی ہے، لیکن یہ احسان صرف حدیث، تفسیر، فقہ، کلام اور فلسفہ و منطق ہی تک محدود نہیں ہے، بلکہ شاعری و خطابت نے بھی ان بزرگوں کی ذات سے خاص طور پر فائدہ اُٹھایا ہے، جس کے متعدد قدرتی اسباب ہیں،

(۱) انسان کی یہ فطرت ہے کہ بیکاری، گوشہ نشینی اور تنہائی کی حالت میں اُس کی زبان سے اپنی حالت کے مناسب کچھ فقرے نکل جایا کرتے ہیں جو زیادہ تر انشا پردازانہ ہوتے ہیں، اور اُن سے اُس کو ایک خاص لذّت محسوس ہوتی ہے، فقرائے اسلام کے گروہ نے ہمیشہ اسی قسم کے حالات میں زندگی بسر کی ہے، اس لئے قدرتی طور پر اُن میں شعراء، خطباء اور حکماء بہ کثرت پیدا ہوئے ہیں، جنہوں نے شاعرانہ، خطیبانہ اور حکیمانہ اقوال سے اپنے دل کو تسکین دی ہے، اُس کی تفریح کا سامان مہیا کیا ہے، اور اپنے کمالات نفسانیہ کو کمالات مالیہ پر شاعرانہ تشبہات و استعارات کے ذریعہ سے ترجیح دی ہے، اور فقر و افلاس کی بدنما صورت کو لوگوں کی نگاہ سے ان پردوں میں چھپایا ہے،

(۲) انسان کی یہ بھی فطرت ہے کہ اُس کو خود اپنے اقوال سے کوئی ننگ و عار نہیں آتا لیکن دوسروں کے طعنے اُس کے لئے نہایت دلدوز ہوتے ہیں، اس لئے فقرائے اسلام نے خود ہی اُن عیوب کو جو فقر و افلاس کا لازمی نتیجہ تھے شاعرانہ، خطیبانہ اور حکیمانہ انداز میں بیان کر دیا ہے تاکہ لوگوں کے طعن و تشنیع اور شماتت سے محفوظ رہیں،

(۳۳) آسمان کی شکایت، زمانے کے مظالم، اہل دُنیا کے جور و ستم، اور امراء و سلاطین کی ناقدردانی کی داستان شاعری کا ایک نمایاں جزو ہے، اور عملی طور پر صرف فقرائے اسلام کو اس داستان کے بیان کرنے کا موقع ملا ہے، اس لئے شاعری کا یہ حصّہ خاص طور پر اُن کا ساختہ و پرداختہ ہے،

(۳۴) ایشیائی شاعری کا اخلاقی حصّہ بھی جس میں زیادہ تر قناعت، خودداری اور استغناء وغیرہ کی ترغیب دی گئی ہے، انہی فقرائے اسلام کا کارنامہ ہے،

غرض ان حالات و کیفیات سے عملی طور پر صرف فقرائے اسلام متاثر ہوئے ہیں اور اُنہوں نے ان مضامین و خیالات کے متعلق شاعری کا ایک بہترین ذخیرہ مہیّا کر دیا ہے جن میں چند منتخب اشعار کو ہم اس موقع پر درج کرتے ہیں،

الی اللہ اشکو جور دنیا کم التی ۔۔۔ تقر الفتی حتی یواری برمسہ

مَیں خدا سے تمہاری اُس دُنیا کی شکایت کرتا ہوں ۔۔۔ جو تادم مرگ انسان کو فریب دیتی رہتی ہے

فتکسبہ ان اقبلت حسن غیرہ ۔۔۔ وتسلبہ ان ادبرت حسن نفسہ

اگر وہ موافق ہوئی تو آدمی کو دوسرے کا حُسن بھی دیدیتی ہے، اور اگر اُسنے ناموافقت کی تو خود اُسکا حُسن بھی چھین لیتی ہے،

تلحی علی البخل الشحیح بمالہ ۔۔۔ افلا تکون بماء وجھک ابخلا

تو مال کے بُخل کرنیوالے کو بُرا بھلا کہتا ہے ۔۔۔ تو خود اپنی آبرو کے ساتھ کیوں نہیں بُخل کرتا

اکرم یدیک عن السوال فانما ۔۔۔ قدر الحیاۃ اقل من ان تنسألا

اپنے دونوں ہاتھوں کو سوال سے اُٹھا ۔۔۔ کیونکہ زندگی کی قدر اس سے کم ہے کہ اُسکے لئے تو سوال کرے

ولقد اخم الی فضل قناعتی ۔۔۔ وابیت مشتملا بہا متزملا

مَیں اپنی قناعت کی فضیلت کو اپنے ساتھ لپیٹے، ۔۔۔ اور اُس کو کمل بنا کر اوڑھے رہتا ہوں

وقالوا توصل بالخضوع الی الغنی — وما علموا ان الخضوع هو الفقر
لوگوں نے کہا کہ ذلیل ہوکر دولتمندی حاصل کر، — حالانکہ یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ ذلت ہی کا نام فقر ہے،
وبینی وبین المال شستان حرما — علی الغنی نفسی الابیة والدهر
مجھ میں اور مال میں بہت بڑا فاصلہ ہے، — میرے خوددار نفس اور زمانے نے مجھکو دولتمندی سے محروم کردیا ہے

لا یویئسك من مجد تباعده — فان للمجد تدریجا وترتیبا
بزرگی کی دوری تجھ کو اُس سے مایوس نہ کردے، — کیونکہ بزرگی کے درجے ہیں اور اُس کی ترتیب ہے،
ان القناة التی ابصرت رفعتها — تنمو فتحدث انبوبا فانبوبا
بانس جس کی بلندی کو تم نے دیکھا ہے — پور پور کرکے بڑھتا ہے

لیس الخمول بعار — علی امرء ذی جلال
ایک بلند رُتبہ شخص کے لئے گمنامی کوئی عار نہیں ہے
فلیلة القدر تخفی — وتلك خیر اللیالی
کیونکہ شبِ قدر مخفی رہتی ہے — حالانکہ تمام راتوں میں وہی بہتر رات ہے

ولیس قبح المکان مما — یزری به منصبی ودینی
بُری جگہ کا رہنا — میرے منصب اور مذہب کو کوئی عیب نہیں لگاسکتا
فالشمس علویة ومرّا — تغرب فی حماة وطین
کیونکہ سورج بلند ہے — باایں ہمہ وہ مٹی اور کیچڑ میں ڈوبتا ہے

فان تکن الدنیا اناتك ثروة — فاصبحت ذا یسر وقد کنت ذا عسر
اگر دُنیا نے تجھ کو دولت دیدی — اور تُو مالدار ہوگیا حالانکہ پہلے تنگدست تھا

فقد كشف الاثراء عنك خلائقا — من اللوم كانت تحت ثوب من الفقر

تو اس کے ساتھ دولتمندی نے تیرے وہ معائب بھی کھول دیئے جو احتیاج کے کپڑے میں ڈھکے ہوئے تھے

حيائي حافظ لي ماء وجهي — ورفقي في مطالبتي رفيقي

میری حیاء میری آبرو کی نگہبان ہے — اور آہستگی سے طلب کرنا میرا رفیق ہے

ولواني سمحت ببذل وجهي — لكنت الى الغنى سهل الطريق

اگر میں اپنی آبرو کو فیاضی کے ساتھ کھوتا — تو میرے لئے دولتمندی کا راستہ آسان ہو جاتا

اني رايت الدهر في حكمه — يسخر حظ العاقل الجاهل

میں نے دیکھا کہ زمانہ اپنی حکومت کے زمانے میں عاقل کا حصہ جاہل کو دیتا ہے

وما ارانى اثرى ثروة — لانه يحسبني عاقلا

میں اگر دولت نہیں پاتا — تو اسکے معنے یہ ہیں کہ زمانہ مجھ کو عاقل سمجھتا ہے

اذا ما مدحت الباخلين فانه — تذكرهم ما في سواهم من الفضل

جب تو بخیلوں کی مدح کرتا ہے — تو انکو وہ محاسن یاد دلاتا ہے جو انکے ماسوا دوسروں میں پائے جاتے ہیں

وتهدى لهم غما كثيرا وحسرة — فان منعوا منك النوال فبالعدل

اور انکو بہت سے غم اور بہت سی حسرتیں دیتا ہے — تو اگر وہ تجھ کو عطیہ نہیں دیتے تو یہ انصاف کا اقتضا ہے

لو كنت اجهل ما علمت لسرني — جهلي كما قد ساءني ما اعلم

جو کچھ میں جانتا ہوں اگر نہ جانتا تو میں خوش ہوتا، جس طرح اپنے علم سے رنجیدہ ہوں

فالصعو يرتع في الرياض وانما — حبس الهزار لانه يتكلم

چنڈول باغوں میں چرتا پھرتا ہے — اور بلبل کو صرف اس ہنر نے گرفتار کرایا ہے کہ وہ بولتی ہے

وقائلة ما بال مثلك خاملا　　انت ضعيف الرائے ام انت عاجز

متعدد عورتیں کہتی ہیں کہ تجھ جیسا شخص کس مپرسی کی حالت میں کیوں ہے؟ کیا تو ضعیف الرائے ہے یا عاجز؟

فقلت لها ذنبي الى القوم انني　　لما لم يحوزوه من المجد حائز

میں نے اُن سے کہا کہ میں نے قوم کا صرف یہ جرم کیا ہے کہ جو بزرگیاں اُن کو حاصل نہیں وہ سب میرے اندر جمع ہو گئی ہیں

وما فاتني شي سوي الحظ وحده　　واما المعالي فهي عندي غرائز

قسمت کے سوا اور کوئی چیز ایسی نہیں جو مجھے نہ ملی ہو، اور بزرگیاں تو میرے پاس بہ کثرت ہیں

قوض ركابك عن ارض تهان بها　　وجانب الذل ان الذل يجتنب

اور اپنی سواری کو اُس سرزمین سے لیجا جہاں تو ذلیل کیا جاتا ہے، اور ذلت سے الگ رہ کیونکہ ذلت بچنے کی چیز ہے،

وارحل اذا كان في الاوطان منقصة　　فالمندل الرطب في اوطانه حطب

اگر وطن میں ذلت ہے تو اُس سے سفر کر　　کیونکہ تر عود اپنے وطن میں جلانے کی لکڑی ہے

اذا شئت ان تستقرض المال منفقا　　على شهوات النفس في زمن العسر

اگر تو تنگدستی کے زمانے میں　　خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کیلئے قرض لینا چاہتا ہے

تسل نفسك الانفاق من كنز صبرها　　عليك وارفاقا الى زمن اليسر

تو اپنے نفس ہی سے یہ سوال کر کہ وہ　　فراخدستی کے زمانے تک تجھ پر اپنے صبر کے خزانے سے صرف کرے

فان فعلت كنت الغني وان ابت　　فكل منوع بعدها واسع العذر

تو اگر نفس نے تیری اس درخواست کو قبول کر لیا تو تُو مالدار ہے، اور اگر انکار کیا تو اس کے بعد ہر منع کرنے والا یعنی تجھ پر مال سے بُخل کرنے والا اپنا عُذر پیش کر سکتا ہے،

وفي الجهل قبل الموت موت لاهله　　وليس لهم في النشور نشور

اور جہالت میں جاہلوں کیلئے موت سے پہلے ہی موت ہے،　　اور قیامت تک اُن کے لئے اُٹھنا نہیں ہے

وارواحھم فی وحشۃ من جسومھم — واجسادھم قبل القبور قبور
اور اُن کی روحوں کو اُن کے اجسام سے وحشت ہے — اور اُن کے بدن قبروں سے پہلے ہی قبر میں ہیں

من ظن ان الغنی بالمال یجمعہ — فاعلم بان غناہ فقرہ ابدا
جس شخص نے یہ گمان کیا کہ مال کے جمع کرنے سے دولتمندی حاصل ہوتی ہے تو اُسکی دولتمندی ہمیشہ اُسکے لئے فقر ہے

فاستغن بالعلم والتقوی دکن رجلا — لا ترتجی غیر رزاق الوری احدا
تو علم و تقویٰ کے ذریعے سے استغناء حاصل کر — اور ایسا آدمی ہو جا کہ خدا کے سوا کسی سے امید رکھے

انی ترکت لذی اموری دیناھم — وظللت انتظر المنات وارقب
مَیں نے دُنیاداروں کیلئے اُنکی دُنیا چھوڑدی — اور خود موت کا انتظار کرنے لگا

وقطعت عن نفسی المطامع لیس لی — ولد یموت ولا عقار تخرب
اور اپنی نفس سے حرص و طمع کو منقطع کر لیا — کیونکہ میرے کوئی لڑکا نہیں جو مرجائے اور جائداد نہیں جو برباد ہوجائے

اس قسم کے اخلاقی اشعار اگرچہ اُن لوگوں نے بھی کہے ہیں جو خود فقر وفاقہ میں مبتلا نہ تھے، تاہم ان کا اصلی محرک بھی فقر و فاقہ ہے، کیونکہ ان لوگوں نے بھی کبھی تو خود فقراء کی حالت بیان کی ہے، کبھی اُن کی زبان بن گئے ہیں، کبھی اُن کو ان کے حال پر ترس آگیا ہے، اور کبھی وہ خود مصیبت میں مبتلا ہو گئے ہیں، اس بناپر اخلاقی شاعری کی بُنیاد فقر و فاقہ ہی پر قائم ہوئی ہے[1]

ختم شد

[1] ملخص از الظرافتہ والمفلوکون صفحہ ۱۲۹ تا صفحہ ۱۴۲

میزان عمل

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، ہندوستان کے مسلمانوں کے قلوب میں اس طرح جاگزیں ہیں کہ اب کسی مزید معرفی کی احتیاج نہیں سعادت اخروی کے حصول کے لئے کون مسلمان ہے جو دل سے آرزومند نہیں لیکن بہت کم لوگ اس کے طریق حصول سے ناواقف ہیں، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ شریعت، طریقت اور حقیقت تینوں مملکتوں کے بادشاہ تھے اس کے ساتھ ہی اہل قلم تھے اس لئے ان سے بہتر اس رستہ کا واقف اور کوئی نہیں اور جو لوگ قیامت کے روز سرخرو ہونے کے متمنی ہیں اور اس دُنیا میں عزت و سربلندی سے زندگی بسر کرنے کے خواہشمند، انہیں اس کتاب سے بہتر اور کتاب دستیاب نہ ہوگی،

اس کتاب میں امام موصوف نے نہایت مدلل اور مفصل طور پر بیان فرمایا ہے کہ سعادت اخروی کے حصول میں کوتاہی حماقت ہے اسلئے اسکی جانب گام فرما ہونا ضروری ہے اور اسکا طریقہ یہ ہے کہ علم و عمل میں سرگرم و مشغول ہوا جائے قیامت کے متعلق لوگوں کی مختلف رائیں کیا ہیں۔ علم و عمل سے تزکیۂ نفوس مراد ہے۔ اسکا طریق، انسانی قوی اور روح و جسم کے اخلاق کی صورتیں۔ انکی اصلاح علم و عمل کے بغیر جنت میں داخل ہونے کی اہلیت خیال موہوم ہے۔ خواہشات اور روح کی جنگ اور کامیابی کا طریقہ، جملہ فضائل کی تفصیل، نیکی اور بدی کی محرک قوتیں، مال و دولت کے حصول کا مقصد اور طریق وغیرہ وغیرہ، غرض دُنیا جہان کی کل کامیابیوں کی یہ کتاب کلید ہے، آخر میں اختلاف مذاہب کے اسباب کا بھی عمدہ بیان ہے جو موجودہ عہد کی فرقہ بندیوں کی قلعی کھولتا ہے، امام غزالی کی کتاب کی تعریف تو ناممکن ہے، ان کا نام ہی خود تعریف و توصیف ہے اس کا ترجمہ ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز بی۔ اے نے کیا ہے، جنکے قلم کے نتائج صوفی کے اوراق کی زینت ہوا کرتے ہیں، ترجمہ بامحاورہ، سلیس اور بے عیب ہے اور کتاب کے مطالعہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کسی غیر زبان کا ترجمہ ہے۔ اور یہی ترجمے کی خوبی ہے۔ طباعت و کتابت دیدہ زیب۔ قیمت صرف ڈیڑھ روپیہ ---- (عہ/)

مینیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین (پنجاب)

کالا پانی

مولوی محمد جعفر تھانیسری مجاہدین سرحد سے گہرا تعلق رکھتے تھے، اور جب سرحدیوں اور انگریزوں میں جنگ ہوئی تو مولوی صاحب ہزاروں روپوں کی امداد ان کو دیتے رہے اس کی اطلاع جب حکومت ہند کو ہوئی تو آپ کو گرفتار کر کے حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دے کر کالا پانی بھیج دیا گیا، کالا پانی سے واپس آ کر مولوی صاحب نے مخبری سے لے کر گرفتاری، مقدمہ، قید اور کالا پانی سے بیس برس کے بعد واپس ہونے تک کے تمام سوانح نہایت دردانگیز پیرائے میں لکھے جسے ہم نے 'کالا پانی' کے نام سے نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے، ابواب و فصول کا اضافہ کر کے اس کی ظاہری حسن و خوبی کو دوبالا کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں خدا کی قدرتوں کے اعجاز نہایت تفصیل سے بتائے گئے ہیں اور ظاہر کیا گیا ہے کہ جسے خدا رکھے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، موجودہ دور ابتلا میں یہ کتاب ہر ہندوستانی کو عموماً اور مسلمان کو خصوصاً کم از کم ایک دفعہ پڑھ لینی چاہئے کیونکہ اس کے مطالعہ سے دل بیخوف طبیعت مطمئن، اور روح ایمان سے لبریز ہو جاتی ہے۔ قیمت صرف آٹھ آنہ - - (۸/)

شرح درود کبریت احمر

حضرت غوث الثقلین۔ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کا مرتبہ اولیت و غوثیت کوئی معروف بات نہیں وہ کون مسلمان ہے جس کے دل میں انکے کارناموں کی عزت اور انکی شخصیت سے محبت نہیں معلوم ہے ان کو یہ مرتبہ اعلیٰ اور درجۂ بلند کس طرح ملا محض خدا کی عبادت اور عشق رسالت صلعم سے، انکی محبت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کے اندرونی جذبات کا فوٹو اور عکس اس درود کبریت احمر میں نقش ہے، اس کی شرح کی اشاعت کی عزت صوفی کمپنی کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسے منگاؤ اور پڑھو اور دیکھو کہ عشق رسولؐ کے جذبات کے الفاظ کیا ہیں اور ان کی تاثیر کیا۔ قیمت باوجود حسن طباعت و کتابت ایک روپیہ (عہ/)

منیجر صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤ الدین

بدایت الہدایت مصنفہ امام غزالیؒ

یہ ایک نہایت مفید کتاب ہے اُردو میں ترجمہ کرا کر شائع کی گئی ہے۔ صحیح معنوں میں مسلمان بنانے والی ہے۔ تمام احکام و عبادات و طاعات الٰہیہ کا مفصّل بیان اس میں درج ہے مُسلمان مرد عورت کو ضرور اس کا مطالعہ کرنا چاہئے اس میں مندرجہ ذیل ابواب درج ہیں۔ حصول علم کا منشاء طاعات و عبادات، نیند سے بیدار ہونے کے آداب، پائخانہ جانے کے آداب، وضو کے آداب، غُسل کے آداب، مسجد میں جانے کے آداب، مسجد میں داخل ہونے کے آداب، طلوع آفتاب کے زوال تک کے آداب، بندہ دوسرے بندوں کے حق میں تین درجہ پر ہے، باقی نمازوں کے لئے تیار ہونے کے آداب، سونے کے آداب، نماز کے آداب، امامت و اقتدا کے آداب، جمعہ کے آداب، روزوں کے آداب۔ گُناہوں سے اجتناب کرنے کا بیان، اعضاء کے گُناہ، دل کی معصیتوں کا بیان، خدائے تعالےٰ کے ساتھ آداب صحبت و معاشرت اور نیز مخلوق کے ساتھ معاملات کا بیان۔ دوست اور ساتھی میں کن خصلتوں کا ہونا ضروری ہے، وغیرہ وغیرہ کاغذ لکھائی چھپائی نہایت عمدہ ہے۔ قیمت بارہ آنے - - - - - - (۱۲/)

امین و مامُون

خلافت عظمیٰ عباس کے جلیل القدر کیرکٹر کا خاکہ، درباریوں کے جوڑ توڑ عربیوں اور ایرانیوں کی سیاسی کشمکش، خلیفہ ہارون رشید اعظم کے فرزند امین و مامون کا مجادلہ پرُ از پولٹیکل خُفیہ اور پُراسرار انجمنوں کی انقلابی جدوجہد معلومات کے خزانہ کو مالامال کرنے والا تاریخی واقعہ فراق و وصال۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ - - - - - (ا؍ ۸)

رُشد الراشدین

مصنفہ مولوی محمود علی صاحب پروفیسر رندہیر کالج کپورتھلہ

یہ کتاب شیعہ حضرات کو صراط مستقیم دکھا کر درست راہ پر لے آئیگی یہ اپنی طرز اور اسلوب کی پہلی کتاب کہی جا سکتی ہے، جان عالم مرزا احمد سلطان صاحب مغلیہ خاندان کے چشم و چراغ نے ایک کتاب تصنیف کی تھی جس میں اُنہوں نے نہایت عجیب و غریب خیالات کا اظہار کیا تھا۔ اس کتاب میں اُنہوں نے قرآن کریم پر نہایت افسوسناک اتہام لگائے، اس کی موجودہ صورت کو محرف، مبدل اور غیر اصلی قرار دیا، اہل سُنت والجماعت کے عقائد پر نکتہ چینی کی، احادیث پر اعتراضات کئے، اس افسوسناک تصنیف کا مُنہ توڑ جواب جناب مولوی محمود علی صاحب موصوف نے قلمبند فرمایا ہے۔ قرآن کے الہامی، غیر مبدل، غیر محرف اور اصلی ہونے کی ناقابل تردید دلائل درج کی ہیں، خود اہل تشیع کی مستند اور معتبر ترین کتابوں سے اہل سُنت و الجماعت کے عقائد کو صحیح ثابت کیا ہے اس کتاب کے مطالعہ سے ایک حق نیوش اور غیر متعصب شیعہ جو صداقت کا متلاشی ہے ناممکن ہے کہ اپنے باطل عقائد پر قائم رہے۔ اسلوب بیان اس قدر صاف اور سلجھا ہوا اور مسلسل کہ دلائل و براہین خود بخود دل و دماغ میں پیوست ہوتی جاتی ہیں، مرزا احمد سلطان کی کتاب ایک زبردست فتنہ دجل فریب ہے اور اس کا کامیاب اور مسکت جواب رُشد الراشدین اہل سُنت والجماعت کے لئے یہ کتاب بمنزلہ حرز جاں ہے جس سے ان کا ایمان تازہ اور یقین مضبوط ہوگا۔ اور شیعہ حضرات کیلئے رُشد الراشدین خضر راہ ہدایت اور دلیل مقام صداقت ہے یہ کتاب میدان مناظرہ میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی گئی، اور شیعہ کے باطل عقائد کا قلع قمع کر کے راہ راست پر لے آئیگی لیکن مطالعہ شرط ہے

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ([illegible])

ملنے کا پتہ: منیجر حنفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ پنڈی بہاؤالدین پنجاب

سلسلہ مطبوعاتِ صوفی نمبر

فقرائے اسلام

یعنی اُن پیشوایانِ دین کے سبق آموز حالات، اور اُن علمائے اسلام کے قابلِ عبرت وبصیرت سوانح جنھوں نے فقر و فاقہ کے باوجود مذہب اسلام کے اصول و ارکان کو استوار و مستحکم کیا۔

مؤلفہ
مولانا عبد السّلام صاحب ندوی

جسکو باخذ جملہ حقوق
صوفی پرنٹنگ اینڈ پبلشنگ کمپنی لمیٹڈ
پنڈی بہاؤ الدّین نے
ملک محمد دین صاحب منیجنگ ڈایرکٹر
کے اہتمام سے
چھپوا کر شایع کیا

یہ سرورق فوٹو آرٹ پریس لاہور میں باہتمام ماسٹر محمد احسان طبع ہوا